# خاکِ حجاز

علامہ یسٓین اختر مصباحی

مکتبہ برکات المدینہ

# پیش لفظ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سرزمین حجاز کو بڑی نعمتوں اور بیش بہا دولتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ یہیں کعبۃ اللہ بھی ہے اور مسجد نبوی بھی ہے۔ بہت سے انبیائے کرام اور پیغمبر اسلام خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہیں آرام فرما ہیں۔ یہیں سے وہ نغمۂ توحید اور ترانۂ رسالت ونعرۂ اسلام بلند ہوا جس کا قیامت تک غلغلہ رہے گا۔ یہیں سے وہ آفتابِ ہدایت افق انسانیت پہ نور برساتا ہوا طلوع ہوا جس سے بحر و بر میں اُجالا پھیل گیا اور انسانی قافلہ اسی کی روشنی میں قیامت تک اپنا سفر حیات جاری رکھے گا۔ خاک حجاز نے بہت سے انقلابات دیکھے ہیں اور حوادث کے کئی دَور اس پہ آئے ہیں۔ خلفائے راشدین کی خلافت سے یزید پلید کی حکومت تک کی گردش اور کئی ظالموں کو اس نے ان کے انجام تک بھی پہنچایا ہے۔

اس وقت حجازِ مقدس پر اسّی سال سے نجد کے ایک سرکش قبیلہ آل سعود کا قبضہ وتسلط ہے جو بیسویں صدی عیسوی کے نصفِ اوّل کی سپر پاور حکومتِ برطانیہ کی اسلام وتُرک مخالف سازش کا ایک حصہ ہے۔ بیسویں صدی کے نصف آخر سے برطانیہ کی جگہ امریکہ نے سنبھال لی ہے اور اسلام مخالف عالمی مہم کی قیادت کی باگ دوڑ جہاں ایک طرف امریکہ کے ہاتھوں میں اب پورے طور پر آچکی ہے وہیں دوسری طرف آلِ سعود امریکی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالے ہوئے وہی کردار ادا کر رہے ہیں جو وہ برطانیہ کیلئے کرچکے ہیں اور اسی برطانیہ نے ۱۹۴۸ء میں یہودی ریاست اسرائیل کو جنم دیا تھا جسے منٹوں منٹ میں امریکہ نے بھی تسلیم کرلیا تھا۔ یہ حالات کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ اب یہی اسرائیل ایٹمی ملک بن کر سارے عربوں کا ناطقہ بند کیے ہوئے ہے۔

اسی امریکہ نے اگست ۱۹۹۰ء میں عراقی صدر صدام حسین کو فریب دے کر کویت پر قبضہ کرایا تھا اور پھر جنوری ۱۹۹۱ء میں اس نے ۲۸ ممالک کی اتحادی فوجوں کے ساتھ عراق پر یلغار بھی کردی تھی۔ ادھر ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء میں امریکہ پر ہونے والے خوفناک حملہ کو بہانہ بناکر اس نے پہلے مرحلے میں افغانستان اور دوسرے مرحلے میں عراق کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ ۲۰۰۳ء سے اس وقت تک امریکی فوجیں عراق کو مسلسل تاخت وتاراج کر رہی ہیں اور سارا عالم خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔ کیونکہ یورپ وامریکہ وآسٹریلیا یہ تینوں طاقتور براعظم عیسائی ہونے کی وجہ سے صلیبی ذہنیت کا شکار ہیں اور وہ جہاں اپنی سابقہ شکستوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں وہیں عرب ممالک کے معدنی ذخائر کیساتھ عالم اسلام کو بھی اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہتے ہیں۔

امریکہ و برطانیہ کے منظور نظر اسرائیل نے ایک معمولی سی بات کو بہانہ بنا کر اس وقت فلسطین کی ایک منتخب تنظیم حماس اور لبنان کی ایک شیعہ تنظیم حزب اللہ کے خلاف محاذ کھول رکھا ہے۔ ۲ جولائی ۲۰۰۶ء کو اس نے غزہ پٹی پر حملہ کیا۔ پھر ۱۲ جولائی ۲۰۰۶ء کو لبنان پر دھاوا بول دیا جس میں اب تک ایک ہزار سے زیادہ لبنانی اور ایک سو سے زیادہ اسرائیلی لقمۂ اجل بن چکے ہیں اور املاک و جائیداد کی زبردست تباہی و بربادی ہو چکی ہے۔ بدقت تمام ۱۱ اگست ۲۰۰۶ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے جنگ بندی کی قرارداد پاس کر کے اسے رکوانے کی طرف قدم بڑھایا۔ تاہم عارضی اطمینان و مسرت کی بات ہے کہ قیام اسرائیل کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ اسرائیل کو اپنے سیاسی و عسکری مقاصد میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور امریکہ و اسرائیل کا یہ خواب فی الحال چکنا چور ہو گیا کہ لبنان سے نمٹ کر شام و ایران کی بڑھتی ہوئی طاقت توڑ کر سارے عربوں کو ایک لمبے عرصے تک کیلئے خاموش کر دیا جائے گا۔

ساری دنیا نے واضح طور پر محسوس کر لیا ہے کہ امریکہ و برطانیہ و اسرائیل عالمی دہشت گردی کے تکون بنے ہوئے ہیں اور اسلام و مسلمین کو انہوں نے اپنا خصوصی نشانہ بنا رکھا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگلے نشانہ کے طور پر انہوں نے شام و ایران کو منتخب کر لیا ہے اور کوئی بھی بہانہ کر کے وہ اپنی جارحانہ کارروائی آئندہ کسی وقت بھی شروع کرنے کے اپنے مذموم ارادہ سے وہ اب بھی پورے طور پر باز نہیں آئے ہیں۔ بدنام زمانہ امریکی صدر جارج ڈبلو بش چند دنوں سے اسلامک فاشزم کی اصطلاح کا استعمال کر رہے ہیں جو مغرب کیلئے زبردست خطرہ بن چکا اور اس کا قلع قمع کرنا ان کے نزدیک سب سے بڑا چیلنج ہے اور ترجیحی طور پر وہ اس پر سب سے زیادہ توجہ دے رہے ہیں۔

اقوام متحدہ اور یورپی ممالک سے کیا شکوہ کیا جاسکتا ہے کہ انہیں اپنے مفاد اور اپنے آقاؤں کے اشارہ و حکم کے مطابق ہی ہر قدم اُٹھانا ہے۔ اصل شکوہ تو مسلم ممالک سے ہے اور عرب حکومتوں کا رد یہ بھی بے حد افسوسناک و مایوس کن ہے۔ بالخصوص آلِ سعود یعنی حکومتِ سعودی عرب کا کردار عالم اسلام کیلئے حد درجہ خطرناک ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ حکومت سعودی عرب کو صرف اتنی فکر ہے کہ اپنی حکومت بچی رہے باقی جو کچھ بھی ہوتا رہے اس سے اسے کوئی مطلب نہیں۔

سعودی عرب نے پہلے برطانوی اوراب امریکی غلامی کی بدترین مثال قائم کی ہے اور سرزمین عرب میں پیدا ہونے والے تقریباً ایک صدی کے حالات و واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو ترکوں کے زوال وشکست سے ریاست اسرائیل کے قیام اور بیت المقدس پر اسرائیلی قبضہ سے عراق ولبنان کی ذلت و رُسوائی وتباہی و بربادی تک کی بیشتر ذمہ داری سعودی عرب پر عائد ہوتی ہے اور فلسطینیوں کا بہنے والے خون ناحق اور ان کی خانہ بدوشی کا اصلی ذمہ دار بھی سعودی عرب ہی ہے۔ ویسے حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ امریکہ نواز سعودی حکومت اور دیگر عرب ممالک کا یوم حساب اب قریب آچکا ہے اور ان کے خودغرض وپست ہمت حکمراں جلد ہی اپنے کیفر کردار کو پہنچنے والے ہیں۔

زیرِنظر کتاب میں آپ کچھ حقائق اور تاریخی حالات پڑھ کر سعودی عرب کا قدیم کردار اچھی طرح جان لیں گے اور مستند حوالوں کی روشنی میں اس کی اصل حقیقت کو پہچان لیں گے۔

پہلے مضمون کی شکل میں پھر ۱۹۹۳ء میں اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا تھا۔اب کمپوزنگ کے بعد اسکا تازہ ایڈیشن حاضر خدمت ہے اِن شاءَ اللہ اس سے آپ کی معلومات میں اچھا اضافہ ہوگا اور عالمِ اسلام کی صحیح صورتِ حال سے آپ واقف ہو جائیں گے۔

دعا ہے کہ ربّ کائنات اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل میں عالم اسلام کو عزت وسرفرازی عطا فرمائے اور معاندین اسلام کو خائب وخاسر فرمائے۔آمین

دوشنبہ　　　　یٰسٓ اختر مصباحی

۱۸ رجب ۱۴۲۷ھ　۱۴ اگست ۲۰۰۶ء　　بانی ومہتمم دارالقلم ذاکر نگر۔نئی دہلی ۲۵

# خاکِ حجاز کے نگہبان

ربِّ کائنات کے آخری رسول، کائنات انسانی کے محسنِ اعظم، جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ وہدایت سے کرۂ ارضی کا گوشہ گوشہ اسلام و ایمان کی تابانیوں سے جگمگا اُٹھا۔ تاریکیوں میں اُجالا پھیل گیا۔ بیمار دل شفا یاب ہوکر مسیحا بن گئے۔ مُردہ رگوں میں حیاتِ تازہ کی لہر دوڑ گئی۔ ڈوبتی نبضیں پلٹ آئیں۔ ویرانے لہلا اُٹھے اور آبادیاں باغ و بہار بن گئیں۔

ختمی مرتبت مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیضانِ کرم نے قطروں کو بے کراں سمندر کی طغیانی اور ذرّوں کو ستاروں کا جمال بخشا۔ وحشیوں کو تہذیب و تمدن کا امین و رازداں بنایا اور بے سلیقہ انسانوں کو کشور کشائی و فرماں روائی کا حوصلہ دیا۔ باہمی جنگ وجدال کے خوگر عربوں کو ایک سلکِ گہر میں پرو کر اتحاد کا ہادی و علم بردار اور افقِ انسانیت کا آفتاب و ماہتاب بنا دیا۔

وہ جدھر اُٹھے ابرِ کرم بن کر کہ انسانی آبادیاں سیراب ہوگئیں۔ پژمُردگی رُخصت ہوئی اور بے آب وگیاہ میدان، شاداب خیابانوں مرغ زاروں اور کشت زاروں میں تبدیل ہوگئے۔ وہ جدھر بڑھے صفتِ سیلِ رواں ہوکر کہ طوفانوں نے خود بڑھ کر راہیں دیں اور پتھر موم بن گے۔ شوکتِ کسریٰ، شکوہِ قیصر اور عظمتِ دارا و جم ان کے قدموں سے لپٹ کر فرشِ راہ ہوگئی۔ انہوں نے کبر و نخوت کے بتوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کردیا۔ ان کا پرچمِ اقبال لہرایا تو قصرِ انسانیت کے برجِ رفیع پر نصب ہوگیا اور ان کی عظمت و جلال کے آگے ایوریسٹ جیسی درجنوں چوٹیاں سرنگوں ہوگئیں۔

انہوں نے اقوامِ عالم کو کامیاب و بامراد زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ جہالت و بغاوت کے ماحول میں علم و فن کی شمعیں فروزاں کیں اور علم وحکمت کے مراکز قائم کیے۔ انہوں نے تدبیرِ مملکت کے دستور مرتب کیے اور دنیا کو جہاں بانی کے آداب سکھائے۔ ان کی فتوحات کی تاریخ پڑھ کر آج بھی عقلِ انسانی انگشت بدنداں ہے۔ ان کے دانش کدوں کا جلال دیکھ کر آج بھی دنیا حیران وششدر اور ان کے جمال ورعنائی پر فریفتہ ہے۔ زبانیں خواہ اس کا اظہار نہ کریں اور قلم اس حقیقت کے اعتراف سے گریزاں ہوئی مگر مغربی مفکرین کے دلوں میں بھی یہ بات گھر کر چکی ہے کہ

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے        یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

دنیا جانتی ہے کہ شاہ فیصل السعود کے عہد حکومت میں اہل عرب بالخصوص سعودی عرب نے بے پناہ سیاسی، اقتصادی، تجارتی اور مادی ترقیاں کی ہیں اور سیال سونے کی نہریں بہہ پڑی ہیں۔ صنعتی ترقی کا جال پورے ملک میں پھیلا ہے۔ جدید عمارات، سڑکوں، پلوں اور کارخانوں کی تعمیر کا ایک طویل سلسلہ زور وشور کے ساتھ ہے۔

بائیس لاکھ تریسٹھ ہزار پانچ سو مربع کلومیٹر میں بسنے والے ایک کروڑ سے زائد سعودی باشندوں کو آج دنیا کی تمام سہولیات حاصل ہیں۔ ریاض، جدہ، مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ میں دینی وعصری تعلیم کے فروغ کیلئے کئی یونیورسٹیوں میں مفت تعلیم کا انتظام ہے۔ دمام وظہران کے علاقے میں پیٹرول کے چشمے اُبل رہے ہیں۔ زراعت میں کافی ترقی ہوچکی ہے۔ ہر طرح کی طبی سہولیات بھی تمام باشندوں کو حاصل ہیں۔ محکمۂ رسل ورسائل میں انقلاب عظیم پیدا ہوچکا ہے۔ مساجد اور مذہبی درس گاہوں کی تعمیر کیلئے سعودی حکومت کی طرف سے دُنیا بھر میں ہر سال اربوں روپے خرچ کیے جارہے ہیں۔

سیال سونا جس کی عملی دریافت ۱۹۳۵ء میں ہوئی۔ اس کا تناسب بڑھتے بڑھتے آج دنیا بھر میں تقریباً سب سے زیادہ ہوچکا ہے۔ فیصل السعود نے جب اپنے تدبّر وذہانت کے ہاتھوں اسرائیل دوست ممالک پر پیٹرول بم پھینکا تو ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور ایک گہرا سکوت طاری ہوگیا۔ ہالینڈ، ڈنمارک، بلجیم، اٹلی، امریکہ اور بہت سے یورپی ممالک کے حلق سے چیخ نکل گئی اور ان کے ہوش وحواس جاتے رہے۔

وہ سیاسی طور پر اتحاد عالم اسلامی کے زبردست داعی تھے۔ تمام مسلم ممالک کو ایک متحدہ طاقت بنانے کیلئے انہوں نے کافی کوششیں کیں اور اس کیلئے انہیں نے مصر ۱۹۶۵ء، ایران دسمبر ۶۵ء، اردن جنوری ۱۹۶۶ء، سوڈان مارچ ۶۶ء، پاکستان اپریل ۶۶ء، ترکی اگست ۱۹۶۶ء، مراکش ستمبر ۶۶ء، گائن (وسط افریقہ) ۶۶ء، مالی ستمبر ۶۶ء، تیونس ستمبر ۶۶، کے دورے کرکے اتحاد کی دعوت دی اور ان ممالک کے امرا وحکام سے اہم موضوعات پر تبادلہ خیالات کیا اور یہ حقیقت ہے کہ مسلم سربراہان مملکت کسی نہ کسی حیثیت سے ان کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ یہی سب بنیادی اسباب تھے کہ عربوں کو دنیا کی اُبھرتی ہوئی تیسری طاقت کے نام سے یاد کیا جانے لگا تھا۔ وہ چاہتے تو ریاض میں بیٹھ کر لندن، پیرس، برلن، ماسکو، نیویارک اور واشنگٹن کی سیاست پر بھی اثر انداز ہوسکتے تھے اور ان کے بدلتے ہوئے تیور کی ایک ایک لکیر یورپ کی پارلیمنٹوں میں پڑھی جاتی۔

لیکن اے لوگو! کیا ہوگیا آج اس سرزمین عرب کو جو کل تک ان کے نام پر مر مٹنے کو تیار تھی۔ جس کے بہادر اور جیالے فرزند خالد بن ولید نے رسول ہاشمی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک کو اپنے تاجِ سر کا زر رنگار ہیرا سمجھا تھا۔ جس کی برکت سے انہوں نے نہ جانے کتنی جنگیں جیتی تھیں اور حضرت امیر معاویہ جیسے مدبر سپہ سالار اعظم نے جن کے ناخنِ مبارک کو اپنی آنکھوں کا نور بنانے کی وصیت کی تھی۔ جن کی محفل میں بیٹھنے کے آداب قرآن نے سکھائے کہ جب تم رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں حاضر رہو تو بلند آواز سے نہ بولو اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان اس طرح ان کے پاس بیٹھتے:

کان علی رؤسھم الطیر جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

جس مقدس منبر پر رسول کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمایا کرتے اسے صحابۂ کرام علیہم الرضوان عقیدت و محبت سے بوسہ دیا کرتے تھے اور مغیرہ بن شعبہ کی روایت کے مطابق سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کا پانی جو زمین پر گر رہا تھا صحابہ کرام علیہم الرضوان اسے لے کر اپنے سروں پر ملنے کیلئے اس طرح دیوانہ وار جھپٹے تھے جیسے اس کیلئے آپس میں جنگ ہو جائے گی اور وہ اپنی قیمتی زندگی اس پر قربان کر دیں گے۔

اے چشم فلک! تو ہی بتا کیا یہ واقعات اسی سرزمین کے ہیں؟ کیا عاشقوں کا یہ ہجوم اسی بستی میں تھا؟ کیا شوق و وارفتگی اور عشق و محبتِ رسول کی یہ روایتیں اسی سرزمین عرب سے وابستہ ہیں؟

اگر ہیں اور یقیناً ہیں یقین ہی نہیں بلکہ اس پر ہمارا ایمان بھی ہے تو کیا ان آنکھوں کو دھوکہ ہو رہا ہے کہ عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے اور خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے یہ عرب کیا انہیں اسلاف کے خلاف ہیں جن کی عظمت و رفعت کے ترانے پوری تاریخ انسانیت نے گائے ہیں؟ اور جن کے جلال و جمال کی پروقار تاریخیں جبین دہر پہ نقش ہو چکی ہیں؟

اے اہل عرب! خدا کی بے شمار نعمتیں تمہاری سرزمین پر بکھری پڑی ہے۔ اے آل سعود! ایمان و اسلام کی رسی مضبوطی سے تھام لو اور امریکہ و برطانیہ کی بجائے اللہ پر بھروسہ رکھو اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی رِضا چاہو پھر یہ ساری کائنات تمہارے زیرِ نگیں آجائے گی۔ بس اپنے دل کو رسول کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عقیدتوں کا گہوارہ بنالو پھر سارے جہاں میں تمہاری عظمتوں کے ترانے گائے جائیں گے۔

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہم اوست وگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

یہ سب کچھ صحیح ہے لیکن دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ آخر ایمان کی کون سی کمزوری اور کیا وجہ ہے کہ سامراجی طاقتوں کی نوزائیدہ ریاست (اسرائیل) سارے اہلِ عرب کیلئے عذابِ مسلسل اور سوہانِ روح بن چکی ہے۔ اس کے جارحانہ حملوں نے سب کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ اپنی تمام ترقیوں اور طاقت کے باوجود ایک چھوٹی سی ریاست آخر عرب قیادت کو کیوں پائے حقارت سے ٹھکرا دے رہی ہے اور وہ سال بہ سال صرف مذاکرات اور کانفرنسوں کی صورت میں ایک دوسرے کے چہروں پر ذلّت آمیز اور شرمناک ناکامیوں کی داستانیں پڑھ رہے ہیں۔ وہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی تجاویز اور سفارشات کو بھی قہقہوں کی گونج میں اُڑا دیتی ہے اور وہ ہیں کہ اس حقارت آمیز رویہ کے خلاف کوئی بھی دیرپا موٗثر اقدام کرنے سے عاجز رہ جاتے ہیں۔

**اے اہلِ عرب!** تم اب بھی اپنی غفلت و بے راہ روی سے باز نہیں آتے اور اپنی آزادانہ زندگی اور عیش کوشی کے لبادوں میں لپٹے ہوئے ہو۔ تمہاری بے انتہا دولت یورپ کے بینکوں میں بے کار پڑی ہے جس سے ان کی اقتصادیات کو استحکام مل رہا ہے۔ تم اپنے وطن سے نکلتے بھی ہو تو نہ جانے کتنے عشرت کدے تمہارے وجود سے آباد ہوتے ہیں اور پھر مذموم حرکات اور لہو ولعب کا ایک طویل سلسلہ چل پڑتا ہے۔

**یاد رکھو!** تمہاری بیماریٔ دل کا علاج، تمہارے روحانی اور اخلاقی امراض کی شفا، نامرادیوں اور ناکامیوں کا حل نہ لندن میں ہے نہ جنیوا میں، نہ پیکنگ میں ہے نہ ماسکو میں، نہ واشنگٹن میں ہے نہ نیویارک میں۔ تم زمین کے ایک ایک ذرّے، سمندر کے ایک ایک قطرے، آسمان کے ایک ایک ستارے اور کتاب وسنت کے ایک ایک حرف سے پوچھ لو۔ تمہارا مطلوب صرف اور صرف کعبۂ مقدسہ کے تقدس وعظمت سے وابستہ ہے اور گنبدِ خضراء کی سبز چھاؤں اور مقدس جالیوں کے قریب ہے اور بس!!!

آبروے ما زنامِ مصطفیٰ ست

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما (پ۵۔ع۶)

اور اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں۔ پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

تم الوحدة العربية کے نعرے لگاتے ہواور قدیم جاہلی عصبیت کے گڑے ہوئے مُردے اکھیڑتے ہو۔ اپنی نسلی برتری کا تمہیں غرور ہے۔ تمہاری اسلامی نسبت نہ ہو اور محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبتوں کا چراغ تمہارے دلوں میں روشن نہ ہو تو پھر دنیا میں تمہیں کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہوگا اور وحشت و بربریت، جہالت و بغاوت، جنگ و جدال کے اسی دورِ ظلمت میں داخل ہو جاؤ گے جس میں رہ کر تم نہایت محدود اور گمنام و بے مقصد زندگی بسر کر رہے تھے۔

سنو! یہ ہے وہ آواز جو عجم کے دُور دراز گوشوں سے نکل کر صحرائے عرب میں گونج رہی ہے:

## محمد ﷺ عربی سے ہے عالم عربی!

ہوش میں آجاؤ اور دیکھو کہ اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم اور جارحانہ اقدامات کیا ہیں اور کیا تمہیں معلوم نہیں کہ صہیونی و صلیبی عناصر نے تمہارے خلاف بین الاقوامی سازشوں کا جال کس طرح پھیلا رکھا ہے اور تم ہو کہ خوابِ خرگوش میں مست پڑے ہو۔ تمہاری متحدہ طاقت کو بھی آج صہیونیت کا ایک ہی حملہ پاش پاش کر دیتا ہے۔ توریت کی ریاست قائم کرنے کیلئے اس کے مذہبی اداروں اور علمی شخصیتوں کی خدمتیں وقف ہیں۔ تمہاری زمین پر اس کے قبضے ہر جنگ میں بڑھتے جا رہے ہیں۔ ۱۹۴۸ء اور آج کے اسرائیل کا نقشہ دیکھو تو دس گناہ سے بھی زائد اسرائیلی رقبہ بڑھا ہوا نظر آئے گا۔ عظیم ترین اسرائیل کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کیلئے یہودی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا جا رہا ہے۔ دریائے نیل کے علاقے، بحرِ قلزم، سینا کا علاقہ، مملکتِ اردن، لبنان، شام، فرات اور سعودی عرب کے مغربی حصوں کو شامل کر کے عظیم اسرائیل کا قیام ان کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین بن چکا ہے۔ اس منصوبہ کی تکمیل کیلئے خارجہ پالیسی اور فوجی طاقت کے اِضافہ کے ساتھ اندرون اسرائیل نئی یہودی بستیاں بسائی جا رہی ہیں۔ بیسیوں لاکھ فلسطینی مہاجرین کے داخلہ پر پابندی ہی کیا کم تھی کہ اب بچ جانے والے عربوں کی نسل کشی اور صبرا و شتیلہ میں ان کے قتلِ عام کے ہولناک مناظر سے زمین کا سینہ دہل اُٹھتا ہے۔ بلڈوزر اور ڈائنا میٹ سے نہ جانے کتنی مسلم آبادیاں کا صفایا کیا جا چکا ہے اور ان کی زندگی اجیرن کی جا چکی ہے۔ ابھی آج ہی کی بات تو ہے کہ ایک معمولی سی بات کو بہانہ بنا کر ظالم و سفاک اسرائیل نے کس طرح جولائی ۲۰۰۶ء میں لبنان میں گھس کر قتل و غارت گری کی اور درجنوں سڑکوں و پلوں و عمارتوں کو تہس نہس کر ڈالا اور کس طرح امریکہ اس غاصب اسرائیل کی مسلسل پشت پناہی کر رہا ہے؟ کیا یہ عملی مسلم دشمنی تمہاری آنکھیں کھولنے کیلئے کافی نہیں؟ کیا عراق کی تباہی و بربادی اور لیبیا کی ناکہ بندی بھی تمہاری آنکھ کھول دینے کیلئے کافی نہیں؟

خدا کی اس وسیع وعریض دنیا میں اسکی نعمتوں سے ہر شخص بہرہ اندوز ہو رہا ہے۔ تمہارے ہاتھوں میں اس وقت مرکزی طاقت ہے۔ رباط کانفرنس ستمبر ۱۹۶۹ء میں شاہ فیصل کی کوششوں سے اسلامی بینک قائم ہوا۔ ایک مستقل اسلامی سکریٹریٹ وجود میں آیا۔ فروری ۷۴ء میں اسلامی کانفرنس لاہور کی ایک اہم اور خفیہ میٹنگ میں یوگنڈا کے صدر عیدی امین نے شاہ فیصل کیلئے خلیفۃ المسلمین کی تجویز پیش کی تھی جس پر بعض وجود کے سبب عمل نہ ہو سکا۔

لیکن بین الاقوامی سیاسی مبصرین اور مسلم دانش وروں کا کہنا ہے کہ ملک در ملک یہ سعودی امدادیں، تجویزیں، کانفرنسیں اور یہ مذاکرات ایک طرف! اگر اتحاد واتفاق کے ساتھ سوادِ اعظم کے عظیم کارواں میں ہر ایک کی شمولیت ہو جائے تو پھر صحیح مستحق کو پاسبانِ حرم و خادم الحرمین کا اعزاز ملنا صرف چند لمحوں کی بات ہے اور اگر صحتِ ایمان کے ساتھ خیرِ اُمت ہونے کے واقعی مستحق بن جائیں تو پھر مسلمانانِ عالم ہی نہیں بلکہ پوری دنیا انہیں اپنا قائد اور سربراہ تسلیم کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار ہے۔

والیانِ نجد وحجاز کیلئے اب بھی موقع ہے کہ وہ اپنے اعمال و کردار کا سنجیدگی کے ساتھ احتساب کریں۔ ایران کے نئے کسریٰ رضا شاہ پہلوی کے عبرتناک انجام کو شاہ فہد اور ان کے وارثین اپنے سامنے رکھیں اور تاریخی حقائق سے انحراف نہ کریں۔ شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز امریکی غلامی کو خیر باد کہہ دیں اور اپنے ملک کو شورائی نظام کے ساتھ چلائیں ورنہ آنے والا وقت ان کیلئے امتحان کا وقت ہے اور وہ اس کا مقابلہ نہیں کر پائیں گے۔

اے اہلِ عرب! خلافتِ ارضی کی وراثت تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ اس دنیا میں تم بھیڑ بکریوں کی طرح زندگی کے دن کاٹنے اور خودرو پودوں کی طرح اُگنے کیلئے نہیں ہو۔ کعبۃ اللہ، مسجد نبوی اور روضۂ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ظاہری تحفظ کی ذمے داری اس وقت تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ اگر تم چاہو تو پوری کائنات انسانیت کی قیادت وامامت کے فرائض انجام دے سکتے ہو۔

یہ اُبلتے ہوئے چشمے فریب نظر ہیں۔ ایسے ہزاروں چشمے تو مرد مومن کے پاؤں کی ٹھوکروں سے اُبل سکتے ہیں۔

ہزار چشمے ترے سنگ راہ سے پھوٹیں     خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر

کتاب وسنت کے حقیقی امین بن جاؤ تو شرق سے غرب تک کی دنیا تمہاری ایک نگاہ کیمیا اثر سے زندہ ہوسکتی ہے اور تم چاہو تو پیاسی انسانیت کو سیراب اور آسودہ حال کردو۔

آج انسان ہر طرف سے گرفتارِ بلا ہے۔ اخلاق وروحانیت کو اس نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ اقتصادی خوش حالی اور سیاسی برتری کے پیچھے ساری دنیا دوڑ رہی ہے۔ لادینیت اور اباحیت پسندی کا ہولناک سیلاب جدید دانش وروں کی صالح ذہنی وفکری صلاحیت کو غرقاب کیئے دے رہا ہے۔ خیالات ونظریات تہہ وبالا ہو رہے ہیں۔ مغربی تہذیب کا عفریت شرم وحیا اور غیرت وناموس کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر شارع عام پر رقص کرتا نظر آرہا ہے۔ الحاد ومغربیت کے بادل اُمنڈ اُمنڈ کر ہر طرف منڈلا رہے ہیں۔

ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت ايدى الناس ليذيقهم

بعض الذى عملوا لعلهم يرجعون (پ۲۱۔ع۸)

لوگوں کے اعمال کے سبب بحر وبر میں برائی پھیلی کہ لوگوں کو ان کے اعمال کا اللہ تعالیٰ مزہ چکھائے گا تاکہ وہ باز رہیں۔

بنی نوع انسانی اب خدا بیزار تہذیبوں سے گھبرا گھبرا کر اسلام کے سایۂ رحمت میں پناہ لینے کیلئے مضطرب اور بے چین ہے۔ افریقہ کے بے آب وگیاہ صحرا اور یورپ کی دم توڑتی ہوئی انسانیت اب اسلام کے نظام رحمت اور شفاخانہ حجاز سے اپنی زندگی اور تازہ دمی کی سوغات مانگ رہی ہے۔ نہیں بلکہ اپنا دامن پھیلائے ہوئے انتظار کی راہیں دیکھ رہی ہے۔ تباہی کے دہانے تک پہنچ کر پیچھے پلٹنے کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے، لیکن اسے کوئی نجات دہندہ رہبر وراہ نما نہیں ملتا۔

اگر آج بھی تم درد واخلاص کے ساتھ دنیا کو اسلام کا پیغام دو۔ اس تیرہ وتاریک ماحول میں ہدایتوں کا اُجالا پھیلاؤ۔ علم وفضل کی شمع جلا کر دنیا کو درخشندی وتابانی کی دولت بخشو، تو پھر وہی موسمِ بہار پلٹ سکتا ہے۔ پھر خلافتِ راشدہ کی یاد تازہ ہوسکتی ہے اور ساری دنیا عدل وانصاف اور امن وآشتی کے گہوارہ میں سکون واطمینان کا سانس لے سکتی ہے۔ صرف یقین محکم کے ساتھ عمل پیہم اور پُرسوز قلب وجگر کی ضرورت ہے۔

ہزار مزاحمتوں ومخالفتوں کے باوجود آج دنیا کے بیشتر حصوں میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریک چل رہی ہے۔ اپنے تابناک ماضی کی طرف پلٹنے کے عزائم پرورش پانے لگے ہیں اور اسلامی نظامِ حیات کو عملی شکل دینے کا رُجحان تیزی سے بڑھتا اور پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ ایسی شکل میں خاکِ حجاز کا نگہبان یہ مردِ مسلمان اِن شاءَ اللہ سارے عالمِ انسانیت کی قیادت کے فرائض انجام دے سکتا ہے اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کا نقیب بھی بن سکتا ہے بشرطیکہ اپنے اندر ایمان واخلاص کا وہی جوہر پیدا کرے جو اس کے اسلاف میں تھا اور انہیں فکر بلند وعظمت کردار کا حامل وامین بھی بن جائے۔

**بہر حال!** جو قوم اس حقیقت پر ایمان رکھتی ہے کہ یہ سارا عالم مر کر ایک بار پھر جی اُٹھے گا۔ روح جسم سے پرواز کرے گی اور پھر پلٹ آئے گی۔ بھلا اس کے سامنے مستقبل سے نا اُمیدی کا کیا سوال پیدا ہوسکتا ہے؟ اس کا دل تو عزائم سے لبریز اور اس کی آنکھیں یقین واعتماد سے پُرنور ہوتی ہیں۔ زبان حال اس حقیقت کا برملا اعلان کر رہی ہے کہ

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے

شکوہِ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

# والیانِ نجد و حجاز کے کردار کا تاریخی جائزہ

جزیرۃ العرب اس وقت [1] آتش فشاں پہاڑ بن چکا ہے۔ کب اور کس وقت لاتعداد انسان اس کے شعلوں کی نذر ہونے لگیں اور کون سا عرب شہر کس لمحہ انسانی لاشوں اور ڈھانچوں کا شہر بن کر گورِ غریباں کا وحشت ناک منظر پیش کرنے لگے۔ نیز خود کلمہ گو مسلمان ہی استکباری طاقتوں کی سازشوں کا شکار ہو کر اپنے مسلمان پڑوسیوں کا گلا کاٹنے لگیں۔ اس کے بھیانک تصوّر ہی سے کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے اور دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔

عالمِ اسلام کی سب سے بڑی کم نصیبی یہ ہے کہ وہ اپنے سبھی داخلی و خارجی امور و معاملات اور سیاسی و فوجی اقدامات و معاہدات میں دوسروں کا محتاج و دست نگر بن چکا ہے اور قصر کریملن (روس) و قصر ابیض (امریکہ) کے مکینوں کی پیشانیوں پر اُبھرتی ہوئی لکیروں کو وہ اپنی قسمت کی لکیریں سمجھ بیٹھا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے اختیارات و تصرّف کے جنازے پیرس و لندن اور ماسکو واشنگٹن کے قبرستان میں دفن ہو چکے ہیں۔ اپنی مرضی سے نہ وہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے اور نہ کوئی قدم آگے بڑھاتا ہے۔

گذشتہ ایک صدی کے جو حالات و واقعات ہمارے سامنے ہیں وہ نہ صرف مذکورہ خیالات و احساسات کی تائید بلکہ اس شعر کی مکمل عملی تشریح بھی کرتے ہیں:

سپر دم بتو مایۂ خویش را  تو دانی حساب کم و بیش را

---

[1] یہ تحریر نومبر ۱۹۹۰ء کی ہے اور خلیجی جنگ جنوری ۱۹۹۱ء میں شروع ہوئی۔ (اختر مصباحی)

# ایران عراق جنگ

تاریخ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ وہی کویت اور سعودی عرب جو کل تک (۱۹۸۰ء کی دہائی میں) ایران عراق جنگ میں عراق کے پشت پناہ اور اس کے معاون و مددگار تھے وہ خود آج پس ہی میں دست بگریباں ہیں۔ایک دوسرے کی خلاف صف آرائی اور فوجی کارروائی کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور تلك الايام نداولها بين الناس کا عبرت انگیز نمونہ پیش کر رہے ہیں۔

زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

۹ سالہ ایران عراق جنگ کے دوران کویت وسعودی عرب وغیرہ کے کردار پر بحث کرتے ہوئے مولانا اخلاق حسین قاسمی سابق صدر جمعیت العلمائے دہلی لکھتے ہیں...... ایران عراق خوں ریزی عرب قومیت اور ایران قومیت کا تصادم تھا۔ اس غیر اسلامی جنگ کو مذہبی نعروں اور مذہبی اصطلاحوں کے سہارے لڑا گیا۔کفر کے فتوے نافذ کئے گئے۔نسلی غرور کی جنگ کو اسلامی جہاد قرار دیا گیا اور اس غیر اسلامی جنگ میں عرب ترقی پسند اور اسلام پسند دونوں حلقوں نے بے دریغ سرمایہ لٹایا۔ ایران کی مذہبی قیادت نے بھی فرقہ وارانہ عقائد کے زور پر نوجواں میں گرمی پیدا کی۔ جنگ میں عرب قومیت کی فتح ہوگئی لیکن اس فتح کے نشے میں عراق کے بھوکے شیر کو نظر انداز کردیا گیا جو حقیقت میں اس جنگ کا فاتح تھا۔عیش وعشرت کی محفلیں اُٹھادی جاتیں۔مذہبی اداروں پر خرچ کی جانے والی زکوٰۃ اور بینک کی سود کی رقموں میں کر کے اس بھوکے سپاہی کے پیٹ کی گرمی کو ٹھنڈا کیا جاتا جس کی گرمی کو بھڑکانے میں انہیں دولت مندوں کا ہاتھ تھا۔لیکن ایسا نہیں ہوا اور بھوکا شیر اپنے کھلاڑی ماسٹروں پر ٹوٹ پڑا۔پھر ان سرکس ماسٹروں نے اپنی حفاظت کیلئے وہ تدبیر اختیار کیں جن سے ظلم کی کہانی دراز ہوگئی اور خوفناک بن گئی۔ پندرہ سو برس تک رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آخری وصیت کے مطابق جزیرۃ العرب یہود و نصاریٰ کے قدموں سے محفوظ رہا اور آج وہ قدم اس سرزمین کو روندرہے ہیں۔

# عراق و کویت انضمام

۶ ستمبر (۱۹۹۰ء) کو سنی دار العلوم محمدیہ، ڈلائل روڈ، ممبئی میں علماء ائمہ اہلسنت کی ایک ہنگامی میٹنگ جزیرۃ العرب کے حالیہ بحران کے سلسلے میں ہوئی تھی اس نے دو درجن علماء کی جانب سے اخبارات و رسائل کیلئے یہ بیان جاری کیا تھا۔

**عراق** وکویت کے موجودہ سنگین تنازعہ نے عرب اور عالم اسلام کو جس شدید ذہنی اور مذہبی کرب و بے چینی سے دوچار کیا ہے اور پوری دنیا کے امن پسند انسانوں کو جس فکر و تشویش میں مبتلا کیا ہے وہ اب مختلف طبقات و حلقوں کے درمیان غور و خوض اور بحث و نظرے گزر کر بہت تیزی کے ساتھ جدال و مخاصمت کی حدود میں داخل ہوتا جا رہا ہے۔

**کویت** پر عراق کے قبضہ اور اعلان انضمام کے بعد عربوں کے درمیان پیدا شدہ اختلافات کا واحد حل صرف یہ ہے کہ اسے عرب لیگ اور خلیج تعاون کونسل کے ذریعے افہام و تفہیم کی بنیاد پر نتیجہ خیز اور قابل عمل بنایا جائے اور ان کے پلیٹ فارم سے اس سیاسی اور سرحدی تنازعہ کو ختم کیا جائے۔

**سرحدی** دفاع کیلئے امریکی افواج کو دعوت دے کر سعودی حکومت نے جس عاقبت نا اندیشی کا مظاہرہ کیا ہے اور ارضِ حجاز کو امریکی مفادات کی نذر کیا ہے اس سے سارے عالم اسلام کے قلوب مجروح ہوئے ہیں اور ہر قلبِ مومن کی یہ متفقہ و متحدہ آواز ہے کہ سرزمین حرمین شریفین کے تحفظ کیلئے امریکی و مغربی افواج کو فوراً سعودی حکومت سے واپس کیا جائے تا کہ تقدسِ حرم کو پامال کرنے کی صیہونی سازش کو عبرت انگیز ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھنا پڑے اور عالم اسلام کا کھویا ہوا سکون و قرار بحال ہو سکے۔

**اس** موقع پر امریکی افواج کے داخلہ کیلئے یہ جواز پیش کرنا کہ سعودی عرب کے اندر عیسائی و یہودی ملازمین پہلے بھی موجود تھے، حد درجہ سادگی یا بے بصیرتی کی بات ہے۔ کیونکہ یہ عناصر پہلے مزدور اور ملازم کی حیثیت سے سعودی عرب میں موجود تھے اور اب ان کے ہم مذہب عیسائیوں اور یہودیوں کا وجود مسلح فوجی کی حیثیت سے ہے جو ہزاروں میل کا فاصلہ چند ساعت کے اندر طے کر سکتے ہیں اور حدود سلطنت کے اندر جنگ کے شعلے بھڑکنے کے بعد ہر شہر اور مقدس سرزمین کو اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں۔

ہم علماء و ائمہ اہل سنت واضح طور پر حکومت سعودی عرب سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ فوراً امریکی فوج کو اپنی سرزمین خالی کرنے کا حکم دے اور سعودی عرب کو مسلح یہودیوں اور عیسائیوں کی یلغار سے محفوظ رکھ کر عالم اسلام کے جذبات کا احترام کرے۔

کویت پر عراقی حملے (اگست ۱۹۹۰ء) کے سلسلے میں مختلف اور متضاد آراء سامنے آ رہی ہیں۔ ابھی تک دنیا کے کسی مسلم یا غیر مسلم ملک نے اس سلسلے میں عراق کی حمایت نہیں کی ہے اور نہ کوئی ملک عراق وکویت انضمام کو تسلیم کرنے کیلئے تیار ہے۔

سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ اگر اس عراقی اقدام کو حق بجانب قرار دیا جائے تو دنیا میں کوئی چھوٹا اور کمزور ملک باقی نہیں رہ جائے گا۔ ہر طاقتور پڑوسی ملک کوئی نہ کوئی قدیم رشتہ ڈھونڈ کر اپنے کمزور پڑوسی ملک پر چڑھ دوڑے گا اور ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگلنے اور اسے ہضم کرنے لگے گی۔

متعدد عرب سربراہانِ مملکت اس قسم کی تجاویز پیش کر رہے ہیں کہ کویت کا کچھ حصہ عراق کیلئے چھوڑ دیا جائے اور باقی علاقوں کو آزاد کر کے کویتی عوام کو یہ حق دے دیا جائے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے حکمراں کا انتخاب کر لیں۔

اس حادثہ کے نتیجہ میں حکومت سعودیہ کی جانب سے بلائی گئی امریکی فوج کو عالم اسلام سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ سعودیہ کے حامی ہیں وہ بھی اس سعودی اقدام پر نجی محفلوں میں اظہارِ تشویش کرتے ہیں مگر اپنے محدود مفادات ومصالح کے تحت عوامی سطح پر اس کا دفاع کرنے پر مجبور نظر آ رہے ہیں۔

ایسے لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ امریکی فوج بلانے کا سبب صرف عراق ہے اور اسی کی جارحیت نے سعودی عرب کو اس اقدام پر مجبور کیا۔ اس طرح یہ حضرات سعودیہ کی خودکشی اور امریکی مگرمچھ کے سامنے حجاز کو تھالی میں سجا کر پیش کرنے کا شعوری یا غیر شعوری جواز فراہم کرنے میں بھی سرگرم ہیں۔

بہر حال! سیال سونے کے سمندر میں سعودیہ وکویت جس عیش وعشرت کے ساتھ اپنی کشتی میں موج مستی کی زندگی گزار رہے تھے وہ اب منجدھار میں ہچکولے کھا رہی ہے اور انہیں ساحل نجات تک پہنچنے کی بظاہر کوئی صورت نہیں نظر آ رہی ہے۔

صدام حسین وشاہ فہد کی جذباتی حمایت ومخالفت کرنے والے کچھ حضرات زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگا رہے ہیں اور پوسٹر بازی و بیان بازی میں مسلسل اپنا وقت اور سرمایہ قربان کرنے میں بڑا سکونِ قلب محسوس کر رہے ہیں۔ حالانکہ انہیں سنجیدگی کے ساتھ اس پہلو پر غور کرنا چاہئے کہ اس سیاسی پس منظر میں ہم جو کچھ کر رہے ہیں کہیں انہیں ایسا کوئی دھچکہ نہ لگے جس سے ان کے جذبات کی کمزور عمارت مسمار اور زمین بوس ہو جائے۔ کیونکہ کویت پر کب تک عراق کا قبضہ برقرار رہ سکے گا؟ اور صدام حسین وشاہ فہد کو مصالحت کی میز پر آتے کتنی دیر لگے گی؟ بالخصوص ایسے حالات میں جب کہ نو سال (۱۹۸۰ء کی دہائی میں) تک خوں ریز جنگ کرنے والے ایران وعراق چشم زدن میں اپنے بیشتر اختلافات کو پس پشت ڈال کر امریکی فوج کے مقابلے میں ایک ہو گئے اور دنیا یہ حیرت انگیز اور ناقابل یقین تبدیلی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئی۔

اسی طرح کیا یہ ممکن نہیں کہ کویت کے سلسلے میں کوئی مصالحتی فارمولہ سامنے آجائے اور جس طرح متنازعہ شط العرب کے معاملے میں عراق نے یک طرفہ دست برداری کا اعلان کر کے ایران سے دوستی کر لی اسی انداز سے متنازعہ کویت کا بھی کوئی حل نکل آئے؟

ساتھ ہی عراقی و سعودی حامیوں و مخالفوں کو یہ تاریخی حقیقت بھی یاد رکھنی چاہئے کہ بیسوی صدی کے ربع اوّل میں جب حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (متوفی ۱۹۲۶ء) کی سرپرستی اور حضرت مولانا عبدالماجد بدایونی و مولانا محمد علی جوہر وغیرہم کی قیادت میں عظیم الشان تحریکِ خلافت چلی تو ہندوستان کے نوّے فیصد مسلمانوں نے دیوانہ وار اس کی حمایت کی اور امام اہلسنّت حضرت مولانا احمد رضا بریلوی و حضرت مولانا سیّد سلیمان اشرف صدر شعبہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن شیروانی جیسے علماء کی تنبیہ و ہدایت پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ جس کا یہ عبرتناک نتیجہ سامنے آیا کہ ۱۹۲۴ء میں جب ترک لیڈروں نے اپنے یہاں سے خلافت کے خاتمہ کا باضابطہ اعلان کر دیا تو یہ تحریک نہایت حسرت و ندامت کے ساتھ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی اور آج یہ تحریک تاریخِ ماضی کی ایک داستانِ پارینہ کے سوا کچھ اور نہیں۔ جسے پڑھ کر افسوس بھی ہوتا ہے کہ مسلمانانِ ہند کا کتنا قیمتی سرمایہ اور ان کی عملی قوت اس بے بنیاد اور جذباتی تحریک کی نذر ہو گئی۔

کہیں اسی طرح کا کوئی تصفیہ اور اس مسئلے کا بھی نکل آئے اور ہوائی قلعہ اور جذبات و خیالات کا جو خوشنما تاج محل چشمِ تصوّر کے سامنے انہوں نے سجا رکھا ہے اسے کوئی ہنگامی عرب معاہدۂ صلح آن کی آن میں پاش پاش نہ کر ڈالے؟ اور سیاستِ حاضرہ کی نیرنگی و بوالعجبی سے یہ صورتِ حال پیدا ہو جانا کچھ زیادہ بعید نہیں۔ کیونکہ مسلم سیاست داں جب کوئی بڑا قدم اُٹھانا چاہتے ہیں تو آیت و حدیث ہی کا حوالہ دیتے ہیں اور جب کسی مرحلے میں وہ قدم روک لینا چاہتے ہیں تب بھی کتاب و سنت ہی کا نام لیتے ہیں۔ جب کوئی جنگ چھیڑنا چاہتے ہیں تو جہاد کا نعرہ لگاتے ہیں اور جب صلح کا ذہن بناتے ہیں تو امن و سلامتی کا وظیفہ پڑھنے لگتے ہیں۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے مفادات کی صلیب پر چڑھانے کیلئے اب عام طور پر یہ مسلم حکمراں اسلام کا نام صرف گرمیٔ محفل کیلئے یا محض زیبِ داستاں کیلئے بھی استعمال کرنے لگے ہیں اور ان کی ہمنوائی و پشت پناہی کیلئے درباری علماء کا ایک بڑا طبقہ ہر وقت اپنی عاقبت خراب کر کے اس دنیا کو سنوارنے کیلئے دست بستہ کھڑا اور ان کے ہر عمل کو مذہبی رنگ دینے پر کمر بستہ اور آمادہ و مستعد رہتا ہے۔

**دوسری جانب** تازہ خلیجی بحران کے سلسلے میں مغربی ممالک بالخصوص امریکہ کے غیظ وغضب اور اس کی حواس باختگی کا تجزیہ کرتے ہوئے معاصر ہفت روزہ بلٹز ممبئی لکھتا ہے......کویت پر عراق کے حملے اور اسے عراق میں ضم کرنے پر امریکہ کی قیادت میں مغربی ممالک بیک آواز ہوکر نہ صرف عراق کی مذمت کر رہے ہیں بلکہ ان کے طرزِ عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سراسیمہ ہوگئے ہیں۔ جبکہ اس کے برخلاف تیسری دنیا کے بیشتر ممالک جن میں عرب ممالک بھی شامل ہیں اس ضمن میں بالکل صحیح موقف اختیار کیے ہوئے ہیں کہ یہ ایک عرب مسئلہ ہے اور اسے حل کرنے کا سب سے پہلے عربوں کو ہی موقع ملنا چاہیۓ۔ آخر امریکہ اور یورپی ممالک کی اس ہراسانی کی وجہ کیا ہے؟

**بذات** خود امریکی ذرائع ابلاغ (میڈیا) نے امریکہ کی اسراسیمگی کی وضاحت سہل اور راست انداز میں کی ہے۔جس کے مطابق خلیج میں امریکی مفادات ہی اس سراسیمگی کی وجہ ہیں اور امریکہ مفادات سے مراد تیل اور اس میں لگا ہوا امریکی سرمایہ ہے۔ امریکی صدر کا قصر، یعنی وہائٹ ہاؤس یہ کبھی برداشت نہیں کرسکتا کہ عراق کے چند سو ٹینک بمشکل ۱۰۰ اکلومیٹر آگے بڑھیں اور امریکی و یورپی مفادات کو جس کا فائدہ ڈکیت کی طرح وہ گذشتہ تیس برس سے اُٹھا رہے ہیں، مسمار کردیں۔ان کے نزدیک عراق کی یہ کوشش ہٹلرانہ ہے۔

**بہرحال!** عرب ممالک کے جو لات ومنات دنیا کے سامنے کھڑے کئے گئے تھے وہ کویت پر عراقی حملے کے نتیجے میں سجدہ ریز ہوچکے ہیں اور مغربی ممالک کو احساس ہوگیا ہے کہ حقائق کو اب چھپایا نہیں جاسکتا حتیٰ کہ فوجی طاقت بھی یہ کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتی۔ سارے عرب ممالک کی آنکھیں کھلتی جارہی ہیں۔کویت کو ضم کرنے کے بعد عراق اب علاقے کے خام تیل کی پچیس فیصد پیداوار پر قابض ہوچکا ہے اور عرب قومیں اس صورتِ حال کو بھانپ چکی ہے۔ اب عرب عوام صدّام حسین کو اپنا سیاسی سماجی اور معاشی نجات دہندہ سمجھ رہی ہے۔ صدّام حسین نے اپنے اقدام سے یہ بات عربوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرادی ہے کہ خلیجی دولت چند ہاتھوں میں محصور ہے۔اب عرب یہ جان لینے کے بعد حیرت زدہ ہیں کہ اگر عربوں کے خود تباہی کے رُجحان کو روکا نہیں گیا تو یہ مجنونانہ کیفیت ایک سو برس تک جاری رہے گی۔ اس رجحان کا کوئی توڑ ہونا چاہیئے تھا اور صدام کے اقدام نے کارگر طور پر یہ مقصد حاصل کرلیا ہے۔

اس سے پہلے کہ اس بحران کا حل عرب آپس میں بیٹھ کر نکالتے امریکہ نے اس کوشش کو سبوتاژ کر کے رکھ دیا۔ صدر بش نے قاہرہ میں جاری عرب چوٹی کانفرنس کے فیصلے سے پہلے ہی امریکی دفاعی سکریٹری کو ریاض دوڑایا، تاکہ وہ شاہ فہد کی گردن ناپ کر انہیں مجبور کریں کہ وہ امریکی افواج کو بے وجہ عراقی حملے کے خلاف مدعو کریں یعنی آ بیل مجھے مار! بش نے اپنے یوروپی حلیفوں اور چند عرب پٹھو ریاستوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی کہ وہ یہ سب کچھ عالمی تشویش کو دُور کرنے کیلئے کر رہے ہیں۔ (۲۲ ستمبر ۹۰ء ہفت روزہ بلٹز ممبئی)

درحقیقت امریکہ کیلئے یہ صورتِ حال ناقابلِ برداشت ہے کہ عراق اسے آنکھیں دکھا رہا ہے اور اس کی دھمکیوں سے بھی مرعوب نہیں ہو رہا ہے۔ اسی لئے وہ اقوام متحدہ کو بار بار استعمال کر رہا ہے اور معاشی ناکہ بندی کی ناکامی کے بعد فوجی کارروائی کیلئے اقوام متحدہ ہی کو ڈھال بنانا چاہ رہا ہے۔

امریکہ جو خود سب سے بڑا قزاق اور دوسرے ممالک میں سازشی جال بچھانے کے علاوہ فوجی مداخلت کرنے میں بھی پیش پیش ہے اسے تشویش اس بات کی ہے کہ خلیج میں اس کی چودھراہٹ کا جنازہ نکلتا دکھائی دے رہا ہے اور اس کی اجازت و مرضی کے بغیر کیوں عراق اتنی دیدہ دلیری سے کام لے رہا ہے۔

اور یوری یہودی لابی کو یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ اگر کویت پر قبضہ کر کے عراق نے اپنی معاشیات کو دُرست کر لیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ مصر اور دوسرے ممالک کو اپنے ساتھ لے کر کسی روز وہ اچانک اسرائیل پر چڑھ دوڑے اور اس کا وجود ہی صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالے۔ اسرائیل اور اس کے آقا امریکہ و برطانیہ کی گھبراہٹ و بوکھلاہٹ کے پیچھے یہ ایک بڑا راز پوشیدہ ہے اور وہ کسی نہ کسی بہانے سے عراق کو سبق سکھانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔

# المدد یا امریکہ

اس دھماکہ خیز عراقی حملے سے چونکہ سعودی عرب سب سے زیادہ متاثر ہوا، اس لئے اپنی سرحدوں کے آس پاس عراقی فوج کا جماؤ دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ اس نے دل ہی دل میں المدد یا امریکہ کا وظیفہ پڑھنا شروع کیا اور امریکی فوج اپنے فرماں بردار واطاعت شعار ملک کی مدد کو دوڑ پڑی۔ حالانکہ عراق کے حملے سے خوفزدہ ہوکر امریکی فوج کو دعوت دینے کے عاقبت نااندیش سعودی اقدام کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اپنے سامنے کسی فوجی ٹرک کو آتے ہوئے دیکھ کر بدحواسی کے عالم میں کسی گہرے کنویں میں چھلانگ لگادے۔

دوسری طرف سیاسی مبصرین کا کہنا ہے کہ صدر امریکہ مسٹر جارج بُش عراق کے خلاف معاشی ناکہ بندی کی جو تحریک چلارہے ہیں اور سعودی عرب میں اپنی فوج بھیج کر عراق کو مرعوب کرنے یا اس پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں اس کے پس پردہ ان کا اپنا یہ مفاد کارفرما ہے کہ خلیجی ریاستیں ان کے دائرۂ اثر سے باہر نہ نکلنے پائیں اور عراق کے توسط سے روس کو اس علاقہ میں اپنے ہاتھ پاؤں پھیلانے کا موقع نہ ملنے پائے۔

سعودی عرب کے اندر امریکہ اپنی فوج بھیج کر اس کی مدد نہیں بلکہ درحقیقت اپنے اسرائیل کا تحفظ کرنا چاہتا ہے اور اس کا یہ اعلان سراسر گمراہ کُن ہے کہ امریکی بحری بری اور فضائی افواج سعودیہ پر عراق کے ممکنہ حملے سے دفاع کیلئے بھیجی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اردن کے شاہ حسین، پی ایل او کے مسٹر یاسر عرفات، لیبیا کے کرنل معمر قذافی، ایران کے ہاشمی رفسنجانی اور دیگر بہت سے سربراہانِ مملکت نے سعودی عرب میں امریکی فوج کی موجودی پر سخت الفاظ میں اعتراض کیا اور اس کی واپسی کا مطالبہ ہر چہار جانب سے کیا جارہا ہے۔ بہت سے عرب ملک مثلاً اردن، یمن، سوڈان، مقبوضہ فلسطین وغیرہ میں امریکی افواج کی موجودگی کے خلاف مظاہرے ہو رہے ہیں اور کویت پر عراقی حملے کی مذمت سے زیادہ اب سبھی ممالک اس مطالبہ پر زور دے رہے ہیں کہ امریکہ فوج کو سعودی عرب سے فوراً واپس بلایا جائے۔

عرب عوام کو شدّت سے اس بات کا احساس ہے کہ امریکہ اور مغربی طاقتیں عراق کے خلاف جو بھی اقدامات کر رہی ہیں ان کے ساتھ مسلم دشمنی اور عرب دشمنی کا جذبہ بھی شامل ہے اور یہ وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ۱۹۶۷ء سے مغربی کنارہ اور غزہ پٹی پر اسرائیلی مظالم کو ختم کرنے کیلئے امریکہ کبھی آگے نہیں آیا بلکہ وہ ہمیشہ اسرائیل کی پشت پناہی اور حوصلہ افزائی کرتا رہا اور وہی امریکہ آج اچانک اتنا انصاف پسند کیسے بن گیا؟

# کویت چھوڑنے کی عراقی پیش کش

امریکی و برطانوی دباؤ کو دیکھتے ہوئے صدام حسین نے اپنے اس بیان کے ذریعہ ایک زبردست جوابی وار کیا ہے کہ امریکہ کی مدد سے اسرائیل نے فلسطین وشام کے جن علاقوں پر قبضہ کیا ہے اسے خالی کردے تو عراق بھی کویت سے دست بردار ہوجائے گا۔

اس حملہ سے مارگریٹ تھیچر اور جارج بش بوکھلا اُٹھے اور انہیں اپنے ناپاک عزائم کے تار و پود بکھرتے ہوئے نظر آئے۔ دوسری جانب کئی مسلم ممالک نے ان کے اس اعلان کا خیر مقدم کیا اور جگہ جگہ ان کی حمایت میں جلسہ وجلوس کا اہتمام کیا جانے لگا جس نے عراق وکویت تنازہ کو ایک نیا موڑ دیا۔

کویتی بحران کو خلیج تعاون کونسل و عرب لیگ اور اسلامی وزرائے خارجہ کی میٹنگیں طلب کر کے حل کیا جاسکتا ہے۔ مگر امریکہ و برطانیہ کی غیر ضروری دل چسپید دیکھ کر ہمیں مقدمۂ شاہ بانو پر سپریم کورٹ کا فیصلہ یاد آگیا اور پھر مسلمانانِ ہند کی عظیم الشان تحریک تحفظِ شریعت کے وہ مناظر ہماری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے کہ ایک طرف تو مسلمان اپنی جان و مال کی بازی لگا کر مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی تحریک چلارہے تھے اور دوسری طرف ارون شوری اور بالا دیورس جیسے لوگ شاہ بانو کے غم میں آٹھ آٹھ آنسو بہارہے تھے اور اس کی ہر طرح کی حمایت واعانت کیلئے بے چین تھے۔

تو کیا جس طرح ارون شوری اور بالا دیورس وغیرہ شاہ بانو کے غم میں مگر مچھ کے آنسو بہارہے تھے اور ان کا اصل مقصد کچھ اور تھا ٹھیک اسی طرح سعودیہ کے غم میں امریکہ اور برطانیہ وغیرہ دُبلے نہیں ہوئے جارہے ہیں جن کا اصل مقصد کچھ اور ہے۔

نہاں پردوں میں جو ہے چشمِ بینا دیکھ لیتی ہے

# برطانیہ اور آلِ سعود

**اصل مسئلہ** یہ ہے کہ برطانوی سامراج نے بیسویں صدی کے ربع اوّل میں **عرب قومیت** کا فتنہ جگا کر صیہونی منصوبہ کے تحت ترکوں کو جزیرۃ العرب سے باہر نکالا تھا جس کی گواہی اس دور کی پوری تاریخ دیتی ہے۔

**حجاز** مقدس سے شریف حسین کی امارت ختم کرنے کیلئے انگریزوں نے نجد کے سرکش قبیلہ آل سعود کو تاکا اور کرنل لارنس کے بنائے ہوئے منصوبہ کے تحت انہیں بھرپور مدد دے کر اپنی نگرانی میں سلطان عبدالعزیز کو ۱۹۲۵ء میں حرمین شریفین پر قابض کیا۔

**سعودی** رِیال کے زیرِ سایہ پل کر تحفظ حرمین کی دہائی دینے والے ہندوستان علماء شاید ان دل دوز واقعات کو فراموش کر بیٹھے ہیں جب حرم شریف کے اندر آل سعود کی گولیاں کھا کر ترک نوجوان شہید ہو رہے تھے مگر اس پاک سرزمین کے احترام میں کوئی جوابی کارروائی نہ کرنے کی گویا انہوں نے قسم کھا رکھی تھی اور جب ان سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کے ہاتھ میں بندوقیں ہیں اس کے باوجود اس بے بسی کے ساتھ گولیاں کھا کر کیوں شہید ہو رہے ہیں؟ تو ایک ترک مردِ مومن نے جواب دیا کہ گولیاں کھا کر مرجانا ہم پسند کرتے ہیں مگر حرم محترم کے تقدس پر کسی قیمت پر ہم آنچ نہیں آنے دیں گے۔

**حدودِ** حرم کے اندر جب آل سعود کا یہ حال تھا تو اس سے باہر انہوں نے قتل و غارت گری اور سفاکی درندگی کے کیسے کیسے ہولناک کارنامے انجام دیئے ہوں گے؟

**اس** طرح بیسویں صدی کے رُبع اوّل میں انگریزوں کے ظِلِ عاطفت میں آل سعود نے حرمین شریفین پر قبضہ کیا۔ جب کہ آل سعود کے تسلط کو حجازیوں نے نہ اس وقت دل سے تسلیم کیا اور نہ آج وہ اسے دل سے تسلیم کرنے کو تیار ہیں اور کسی شخص کو اس حقیقت سے انکار ہے تو وہ حرمین شریفین میں اس سلسلے میں استصواب رائے کر کے خود صورتِ حال کی تحقیق کر سکتا ہے۔

**اور اب** بیسویں صدی کے ربع آخر میں آلِ سعود نے امریکی سامراج کا دامن تھاما ہے تاکہ عالم اسلام کے ہاتھوں اپنا دامن تارتار ہونے سے بچایا جاسکے۔

# حجاز پر صلیبی و صہیونی حملہ

اس وقت ریاض، دمام، ظہران جو علاقۂ نجد میں واقع اور حرمین شریفین سے تقریباً ایک ہزار کلو میٹر دور ہیں وہاں لگ بھگ ڈھائی لاکھ مسلح امریکی فوجی (جن کی تعداد بعد میں تقریباً پانچ لاکھ ہوگئی) موجود ہیں، جن میں بعض ذرائع کے مطابق پچاس ہزار سے زیادہ اسرائیلی فوجی ریگستانی ٹریننگ کی خدمت پر مامور ہیں۔

ایک معمولی آدمی بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ یہ ڈھائی لاکھ امریکی فوجیں اس وقت سعودی عرب پر ممکنہ عراقی حملے کے دفاع کیلئے نہیں ہیں بلکہ سعودی عرب کی سرزمین سے عراق پر حملہ کیلئے تیار کھڑی ہیں۔

اور امریکہ نے اپنے شکنجہ میں سعودی عرب کو اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ عالمِ اسلام کی ناراضگی کے باوجود وہ اپنے آقا امریکہ سے اس درخواست کی جرأت نہیں کر پا رہا ہے کہ اس سے صاف صاف کہہ دے کہ اب آپ یہاں سے تشریف لے جائیں کیونکہ ہم عالمِ اسلام سے فوجی امداد طلب کر کے خود اپنے دفاع کا انتظام کر رہے ہیں؟ حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ سعودیہ کیلئے ایسا کوئی قدم اُٹھانا اب ممکن نہیں رہ گیا ہے۔

ساری دنیا کے سیاسی و صحافتی حلقے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ عظیم تر اسرائیل کے خفیہ نقشے میں خیبر اور مدینہ بھی ایک مدت سے شامل کئے جا چکے ہیں اور اخباری اطلاعات کے مطابق جب سعودی دعوت پر امریکی فوج میں شامل یہودی فوجیوں نے سرزمین سعودیہ میں قدم رکھا تو سب سے پہلے سجدۂ شکر ادا کیا۔

اسلام کی ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ میں یہ پہلا حادثہ ہے جب اس بات کے مواقع یہودیوں کو میسر آئے ہیں کہ وہ براہِ راست جنگی نقطۂ نظر سے ان مقاماتِ مقدسہ کے قریب ہو کر اپنے مقاصد کی تکمیل کے امکانی راستے تلاش کر سکیں اور انہیں اپنا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا ہوا نظر آئے۔ کیا ایسے سنگین خطرات کے باوجود سعودیہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے مفادات سے بے نیاز ہو کر محض اپنے اقتدار کے تحفظ کیلئے ان فوجیوں کو اماکنِ متبرکہ و مقاماتِ مقدسہ سے کھیلنے اور ان پر دانت تیز کرنے کے امکانات و ذرائع پیدا کرتا رہے؟

# سعودی نواز علماء

سعودی عرب کے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز سے لے کر ہندوستان کے مولانا ابوالحسن علی ندوی و مولانا منّت اللہ رحمانی و مولانا اسعد مدنی وغیرہ تک ایک لمبی فہرست ایسے علماء کی ہے جنہوں نے یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ سعودی عرب کی دعوت پر امریکی فوجیوں کی آمد جائز و دُرست اور بالکل حق بجانب ہے۔اس خدمت کیلئے آلِ سعود نے رابطہ عالم اسلامی کو بھی استعمال کیا ہے اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اس کے وہ سبھی مراکز و مدارس اور ان کے علماء اس کے جواز کی تصدیق و تائید میں سرگرم نظر آ رہے ہیں جو سعودی ریال سے ایک عرصہ سے فیض یاب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

سعودی نواز علماء یہ کہنے اور لکھنے پر بہت بڑا کارِ ثواب سمجھ رہے ہیں کہ صدام حسین ظالم ہے۔محسن کش ہے۔کویت پر عراقی جارحیت نا قابل برداشت ہے۔یہ قبضہ و انضمام اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔جارحیت کی ابتداء عراق نے کی ہے۔فلسطینی مسئلہ کو اس نے ٹھنڈا کر دیا ہے وغیرہ لیکن یہ کلمۂ حق کہنے کی ان کے اندر جرأت نہیں کہ بلا کسی سابقہ دعویٰ و استحقاق کے علاقۂ نجد سے آ کر شریف حسین کے خلاف حرمین شریفین کے اندر آلِ سعود نے بھی تو ۲۵۔۱۹۲۴ء میں اسی طرح کی جارحیت کی تھی اور عالم اسلام کے زبردست احتجاج کے باوجود اس کی یہ جارحیت اور ارضِ حجاز پر آلِ سعود کا قبضہ آج تک برقرار ہے۔

نہ وہ یہ کہہ پا رہے ہیں کہ اگر سعودیہ کو اپنے دفاع کی ضرورت تھی تو مسلم ممالک سے مدد لینی چاہیے تھی اور اب وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ڈھائی لاکھ امریکن فوج کی کیا ضرورت ہے؟ اتنے دن تک حالات سنبھل جانے کے بعد اسے واپس کر کے اس جگہ مسلم ممالک کی مشترکہ فوج رکھی جانی چاہیے۔

وہ یہ لب کشائی بھی نہ کر سکے کہ سعودیہ کے اندر مسلح یہود و نصاریٰ کا وجود حجاز مقدس کیلئے ایک سنگین خطرہ ہے۔خدانخواستہ انہوں نے وقتی معاہدات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کی طرف نگاہ اُٹھائی تو عالمِ اسلام کا قبلہ اور حرم محترم بھی ان کی سازشوں کی آماجگاہ بن جائے گا اور مسلمان جو ابھی تک اپنے قبلۂ اوّل کو آزاد نہ کرا سکے وہ اس دوسرے بحران میں مبتلا ہو کر اپنی مرکزیت اور اسلامی شان و شوکت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

ہندوستان کے سعودی نواز علماء کے برعکس پاکستانی علماء کے موقف کا ذکر کرتے ہوئے قومی آواز دہلی نے یو۔این۔آئی کے حوالے سے یہ خبر دی ہے...... اسلام آباد سے شائع ہونے والے ایک سرکردہ اخبار امروز کے مطابق لاہور میں منعقد مذہبی لیڈروں کی ایک کانفرنس میں مطالبہ کیا گیا کہ سعودی عرب میں مقدس مقامات کا تحفظ صرف مسلمان کر سکتے ہیں اور کسی غیر مسلم یا امریکی کو وہاں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جمعیت علمائے اسلام اور جمعیت علمائے پاکستان نے سعودی عرب فوج بھیجنے کے فیصلہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک غیر اسلامی حرکت ہے۔ اخبار ڈان کے مطابق پاکستان پیپلز پارٹی نے بھی فوج بھیجنے پر نکتہ چینی کی ہے۔ (روزنامہ قومی آواز دہلی ۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۰ء)

اور یو۔این۔آئی ہی کے حوالے سے عالمِ اسلام کی کچھ مسلم تنظیموں کے ایک وفد کی سرگزشت پڑھئے جس سے سعودیہ کی امریکہ نوازی اور امریکی فوج سے عالمِ اسلام کی شدید نفرت یہ دونوں باتیں ایک ساتھ کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

اسلامی وفد کے ایک قریبی ذریعہ نے یہ بھی بتایا کہ سعودی قیادت نے امریکی افواج کی سعودی عرب میں آمد کے خلاف تنقیدوں پر سخت موقف اختیار کرتے ہوئے یہ بھی واضح کیا کہ یہ وفد جن اسلامی تحریکوں کی نمائندگی کرتا ہے اگر ان میں سے کسی نے بھی امریکہ مخالف حملہ کا سلسلہ شروع کیا تو سعودی حکومت تمام لچک ختم کر دے گی۔

اس ۲۱ رُکنی وفد میں اردن، مصر، یمن اور شام میں تنظیم الاخوان المسلمون کی شاخوں، سوڈان کی تحریک اسلامی، تیونس کی تنظیم النہضۃ الاسلامیہ پاکستان کی حزب اسلامی، ترکی کے رفاہ گروپ، ملیشیا کی اسلامی پارٹی اور الجزائر کی تحریک الاصلاح والارشاد کے نمائندے شامل تھے۔

بنیادی طور پر ان تمام ہی تنظیموں نے سعودی عرب میں جہاں اسلام کے مقاماتِ مقدسہ واقع ہیں، غیر مسلم افواج کی آمد کی مخالفت کی ہے۔ اس وفد کی تشکیل اردن کی راجدھانی عمان میں منعقدہ ایک کانفرس میں ہوئی تھی۔ امریکہ نے اسے شدت پسندوں کی کانفرنس قرار دے کر اس کے انعقاد پر اردن حکومت کی تنقید کی تھی۔ (روزنامہ قومی آواز دہلی ۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۰ء)

# اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت

بڑے زور و شور کے ساتھ ایک عرصہ سے پوری دنیا میں اس کا پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ آلِ سعود کی حکومت نے اپنے ہم وطنوں کی معاشی خوش حالی و فارغ البالی اور حجاج و زائرین کی آسائش و راحت کے بڑے زبردست اور بے نظیر انتظامات کئے ہیں۔ وہاں کسی قسم کی کوئی پریشانی اور تکلیف نہیں۔ سب مطمئن اور پُرسکون زندگی گزار رہے ہیں وغیرہ۔

موجودہ حالات کے تحت ہم ان پاکبازانِ اُمت سے گذارش کرینگے کہ وہ وہاں کی محبوس و مقید زندگی کا کچھ ذائقہ چکھنا چاہتے ہیں تو ذرا مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ یا طائف و جدہ کہیں بھی ۱۶ ستمبر ۱۹۹۰ء جیسی کوئی **تحفظ حرمین کانفرنس** کر کے اس کا اندازہ کر لیں۔ بلکہ اس کا اعلان ہی کر کے دیکھ لیں کہ اس کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں؟ اگر وہ سعودیہ میں رہ کر ایسی خطرناک **غلطی** کریں گے تو انہیں فوراً سعودیہ بدر کر دیا جائے گا اور اگر دہلی میں بیٹھ کر یہ اعلان جاری ہوگا تو انہیں جدہ یا ریاض ایئرپورٹ سے آگے نہیں بڑھنے دیا جائے گا بلکہ اس سے پہلے ہی سعودی سفارت خانہ ان کا ویزا ہی نہیں جاری ہونے دے گا۔

اور یہ سب کچھ صرف اس خطرہ کے پیش نظر ہوگا کہ آج یہ کانفرنس ہمارے حق میں ہونے والی ہے جس میں حریت فکر اور اظہارِ خیال کی آزادی ہوگی۔ لیکن کل یہی حریتِ فکر اور آزادیٔ اظہارِ خیال ہمارے لئے وبالِ جان نہ بن جائے اور ان کی زبان و قلم پر لگایا ہوا پہرہ کل خود ہمارے لئے سوہانِ روح بن کر ہمارے چہرے کی نقاب نہ اُلٹنے لگے۔ اس لئے ان سے ہم صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ

اتنا نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت　　　دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

# ماضی کے اوراق

آلِ سعود نے سرزمین حجاز پر اپنے اقتدار کی بنیاد رکھنے اور مستحکم کرنے کیلئے جن بدعنوانیوں ، بے اصولیوں، وعدہ خلافیوں اور سفاکیوں کو روا رکھا ہے انہیں جاننے کیلئے جب ہم ماضی کے اوراق پلٹتے ہیں تو تاریخ کے صفحات یہ شہادت دیتے ہیں کہ کتاب وسنت کے نام پر آلِ سعود نے اپنی دنیاداری وحکمرانی کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کیلئے وہ ساری تدابیر اختیار کی ہیں جو کوئی بھی غاصب اور حملہ آور فوج اپنے مفتوحہ علاقے کو زیر کرنے اور اس پر اپنا قبضہ وتسلط جمانے کیلئے جائز اور روا رکھ سکتی ہے۔

تبصرہ و تجزیہ سے آگے بڑھ کر آیئے اور دیکھئے کہ تاریخی حیثیت سے مقاماتِ مقدسہ اور اہل حجاز کے ساتھ آلِ سعود نے کیسا گھناؤنا سلوک کیا ہے اور اس کا ماضی کتنا داغدار اور قابلِ مذمت رہ چکا ہے۔

## طائف

علامہ سیّد ابراہیم الزواوی الرفاعی لکھتے ہیں...... سلطان نجد نے طائف پر قبضہ کے بعد ہزاروں مسلمانوں کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ ان مقتولین میں بہت سے علمائے کرام مثلاً سیّد عبداللہ الزواوی مفتی شافعیہ مکہ مکرمہ، شیخ عبداللہ ابو الخیر قاضی مکہ، شیخ مراد قاضی طائف، سیّد یوسف الزواوی (جن کی عمر تقریباً اسّی سال تھی) شیخ حسن الشیبی، شیخ جعفر الشیبی وغیرہم ہیں۔ انہیں امان دینے کے باوجود ان کے دروازوں پر ہی انہیں ذبح کر ڈالا۔ (ترجمہ از عربی ص ۳۔ الاوراق البغادیہ مطبعۃ النجاح بغداد)

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی قدس سرہ (متوفی ۱۹۲۶ء) کی قیادت میں مسلمانانِ ہند نے جمعیت خدّام الحرمین کے نام سے لکھنؤ میں جو ایک تنظیم قائم کی تھی اس نے دسمبر ۱۹۲۵ء میں نجدی مظالم کی تحقیقات کیلئے ایک وفد بھیجا جس کے ارکان یہ تھے:

☆ سیّد محمد حبیب مدیر جریدہ سیاست لاہور ☆ مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی

☆ عبدالعزیز تاجر دکن ☆ مولانا فضل اللہ خاں مدیر جریدہ رسالت ممبئی

اس وفد نے مظالم طائف کے یہ عینی مشاہدات پیش کئے:۔

ہر شخص یہاں تک کہ خود ابن سعود اور حافظ دہبہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ طائف میں نجدی امان کا وعدہ دے کر داخل ہوئے۔ انہوں نے شہر لوٹا، مسلمانوں کو امان اللہ و امان راس بن سعود کہہ کر بالاخانوں سے اُتروایا۔ جیسے ہی ان مسکینوں نے دروازے کھولے انہیں گولی ماردی۔ عورتوں کو مجبور کیا کہ مقتول خاوند باپ بھائی اور بیٹوں کی لاشیں خود اُٹھا کر باہر پھینکیں۔ جس نے انکار کیا یا صل علی الرسول کہا یا خاف اللہ و الرسول کہا وہ خود قتل ہوئی۔ (رپورٹ جمعیت خدام الحرمین)

# جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ

**خلافت کمیٹی** نے اپنا جو وفد بھیجا وہ ان ارکان پر مشتمل تھا:۔

☆ مولانا عبدالماجد بدایونی ☆ سیّد سلیمان ندوی ☆ مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمین دار لاہور

☆ مولانا محمد عرفان ☆ سیّد خورشید حسن ☆ شعیب قریشی

**اس وفد** نے مسلمانانِ ہند کو یہ اطلاع دی، مکہ میں جنت المعلیٰ کے مزارات شہید کردیئے گئے۔ مولد النبی (جس مکان میں سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی) توڑ دیا گیا ہے۔ (ص۔۲۳۔رپورٹ خلافت کمیٹی)

**شورش کاشمیری** مدیر چٹان لاہور لکھتے ہیں جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ کا قدیم ترین لیکن جنت البقیع کے بعد سب سے افضل ترین قبرستان ہے۔ منیٰ کے راستے پر مسجد حرام سے ایک میل دور ہے۔ کسی قبر پر کوئی نشان یا کتبہ نہیں۔ سب نشانات مٹا دیئے گئے ہیں۔ ہر طرف مٹی کے ڈھیر ہیں۔ چراغ نہ پھول، عجیب ویرانہ ہے۔ جس حصے میں حضرت اسماء، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت امام ابن جبیر اور سعید بن مسیب کی قبریں ہیں وہاں اندر جانے کیلئے ایک دروازہ ہے لیکن وہ قبور پر حاضری کیلئے نہیں بلکہ نئی میتوں کیلئے ہے اور جس حصے میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور انکے افرادِ خاندان آرام فرما ہیں یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب مدفون ہیں وہاں کوئی دروازہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ ٹوٹی پھوٹی قبریں مٹی کی ڈھیریاں ہوگئی ہیں۔ کسی تودہ پر پانی کا چھڑکاؤ نہیں دھوپ کا چھڑکاؤ ضرور ہے۔ پوری دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی قبرستان بے بسی کی اس حالت میں نہ ہوگا۔ (ص۱۔۳۔شب جائے کہ من بودم۔از شورش کاشمیری)

**ماہر القادری** مدیر فاران کراچی نے ۱۹۵۴ء میں حج سے واپسی کے بعد اپنے سفر نامہ کاروانِ حجاز میں لکھا، جنت المعلیٰ کو دیکھ کر بڑا دُکھ ہوا۔ اس میں صحابۂ کرام، تابعین عظام اور اکابر اولیا آسودہ ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کو چھوڑ کر ہر طرف جھاڑ جھنکاڑ، اونٹوں اور دنبوں کی مینگنیاں نظر آتی ہیں۔ یہ تو ان نفوس قدسیہ کی قبریں ہیں جو ہم سب کے مخدوم اور محسن ہیں، عام مسلمانوں کی قبروں کے ساتھ بھی یہ سلوک جائز نہیں۔ (بحوالہ ماہنامہ معارف دارالمصنفین اعظم گڑھ، جون ۱۹۷۸ء)

# جنت البقیع مدینہ منورہ

خلافت کمیٹی کے وفد ۱۹۲۶ء نے جنت البقیع مدینہ منورہ کے منہدم مزارات کے بارے میں اس طرح خبر دی تھی، ۲۶ مئی کو اکبری جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ اس وقت سب سے پہلے جو وحشت ناک اور جگر گداز خبر ہمیں موصول ہوئی وہ جنت البقیع اور دیگر مقامات کے انہدام کی تھی، لیکن ہم نے اس خبر کے قبول کرنے میں تأمل کیا اس لئے کہ سلطان ابن سعود خلافت کمیٹی کے دوسرے وفد کو تحریری وعدہ دے چکے تھے کہ وہ مدینہ منورہ کے مزارات و مآثر کو اپنی اصلی حالت پر رکھیں گے لیکن جدّہ پہنچ کر ہم نے سب سے پہلے ایک رُکن حکومت شیخ عبدالعزیز عتیقی سے جب اس کی حقیقت دریافت کی تو انہوں نے تصدیق کی۔

(ص ۸۵۔ رپورٹ خلافت کمیٹی)

شورش کاشمیری لکھتے ہیں، جنت البقیع جو خاندانِ رسالت کے دو تہائی افراد کا مدفن ہے، شروع اسلام کے درخشندہ چہروں کی آخری آرام گاہ اور اَن گنت شہدائے کرام، صلحائے اُمت اور اکابرین دین کے سفرِ آخرت کی منزل ہے، ایک اہانت کا شکار ہے کہ دیکھتے ہی خون کھول اُٹھتا ہے۔ (شب جائے کہ من بودم۔ از شورش کاشمیری)

# مدینہ طیّبہ کے منہدم مزارات

وفد خلافت کمیٹی نے مدینہ طیبہ کے منہدم مزاراتِ مبارکہ کی جو تفصیلات درج کی ہیں ان کی ایک مختصر فہرست دل پر ہاتھ رکھ کر ملاحظہ فرمائیں:۔

**مزاراتِ شہزادیانِ خاندانِ نبوت** ﴿ بنتِ رسول حضرت سیّدہ فاطمہ، بنتِ رسول حضرت اُمِ کلثوم، بنتِ رسول حضرت زینب، بنتِ رسول حضرت رُقیہ، حضرت فاطمہ صغریٰ بنتِ حضرت امام حسین شہیدِ کربلا۔

**مزاراتِ ازواجِ مطہرات** ﴿ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زینب، حضرت حفصہ وغیرہ۔ کُل ۹ ازواجِ مطہرات کے مزارات۔

**مزارات مشاہیر اہل بیت** ﴿ حضرت امام حسن مجتبیٰ، سرِ مبارک حضرت امام حسین شہید کربلا، حضرت امام زین العابدین، جگر گوشۂ رسول حضرت ابراہیم، عم النبی حضرت عباس، حضرت امام جعفر صادق، حضرت امام محمد باقر۔

**مزارات مشاہیر صحابہ و تابعین** ﴿ حضرت عثمان غنی، حضرت بن مظعون، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن وقاص، حضرت امام مالک، حضرت امام نافع۔

(ص ۸۰ تا ۸۹ رپورٹ خلافت کمیٹی) ...... رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ......

## مساجد کا انہدام

مساجد کی بے حرمتی اور ان کی پامالی کے جاں گداز حادثات اس وفد خلافت کی زبانی سنئے، اس سے بھی زیادہ افسوس ناک چیز یہ ہے کہ مکہ معظمہ کی طرح مدینہ منورہ کی بعض مساجد بھی نہ بچ سکیں اور مزارات کے قبوں کی طرح یہ مساجد بھی توڑ دی گئیں۔

مدینہ میں منہدم مساجد کی تفصیل یہ ہے، مسجد فاطمہ متصل مسجد قبا، مسجد ثنایا (جہاں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تھے) مسجد منارتین، مسجد مائدہ (جہاں سورۂ مائدہ نازل ہوئی تھی) مسجد اجابہ۔ (ص ۸۸۔ رپورٹ وفد خلافت)

## انہدامِ گنبدِ خضرا کا قیامت آشوب منصوبہ

آلِ سعود کے مذہبی سرپرست شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں شیخ احمد بن علی بصری شافعی لکھتے ہیں، اس کا کہنا تھا کہ اگر مجھے حجرۂ رسول (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر قبضہ وتصرف کا موقع ملے تو اسے ڈھادوں گا۔ (عربی سے ترجمہ فصل الخطاب مطبوعہ ترکی)

نجد وحجاز سے متعلق سیّد محمد رشید رضا مصری ایڈیٹر المنار مصر نے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۱۲، ۱۱۳ پر آلِ سعود اور گنبدِ خضریٰ کے تعلق سے عربی میں لکھی گئی عبارت کا ترجمہ یہ ہے، کچھ مؤرخین کا کہنا ہے کہ انہوں نے (اہل نجد نے) حرم نبوی کے قبہ کے اوپر سے سونے کا ہلال اور کرہ اُتار لیا تھا اور وہ قبہ بھی گرانا چاہتے تھے لیکن ان کے کارکنوں میں سے ہلال اور کرہ اُتارنے کیلئے اوپر چڑھنے والے دو آدمی نیچے گر کر مر گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے قبہ کو ڈھانے کا اِرادہ ترک کر دیا۔

ابھی چند سال پیشتر کی بات ہے کہ جب سعد الحسین کی اس تجویز کا دنیا کو علم ہوا کہ گنبدِ خضرا کو توسیع مسجد نبوی کے موقع پر ڈھایا جائے یا مسجد نبوی کی تعمیر ہونے والی بلند و بالا عمارت کے حصار میں لے کر اسے چھپا دیا جائے تو ہندو پاک، بنگلہ دیش، افغانستان، ایران، ترکی، برطانیہ، عراق، شام، مصر، مراکش وغیرہ کے ہزاروں علماء فضلاء اور جمہور اُمتِ مسلمہ نے اس قیامت آشوب تجویز کے خلاف عالمی پیمانے پر احتجاجات کیے۔ اپنے اپنے ملک میں سعودی سفیروں سے ملاقاتیں کیں اور زبردست غم و غصہ کا اظہار کیا حتیٰ کہ ترکی پارلیمنٹ نے اس تجویز کے خلاف ایک قرارداد پاس کر کے مسلمانانِ عالم کے جذبات کی نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔ لیکن شاہ خالد بن عبدالعزیز جو اس وقت حکمراں تھے ان کی حکومت نے سعد الحسین کو کوئی سزا دے کر جیل خانہ تک پہنچایا نہ ہی ہفت روزہ الدعوۃ ریاض، سعودی عرب (جس میں یہ تجویز چھپی تھی اس) پر کوئی مقدمہ چلایا گیا۔

**فاضل** مدیر ماہنامہ المیزان ممبئی لکھتے ہیں، عالی جناب غلام محمود بنات والا ایم پی نے مجھے بتایا کہ مسلم لیگ کے ایک وفد نے سعودی سفیر مقیم دہلی سے ملاقات کی اور گنبدِ خضرا کے تعلق سے مسلمانانِ ہند کی بے چینی سے آگاہ کراتے ہوئے اصل واقعہ سے آگاہی چاہی تو سفیر موصوف نے یہ کہا کہ حکومتِ سعودیہ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے اور یہ کہ ایسی تجویز الدعوۃ میں ایک فرد کی جانب سے شائع ہوئی ہے لیکن ہماری حکومت کے سامنے انہدام گنبدِ خضرا کا کوئی منصوبہ نہیں۔

**مسلم** لیگی قائد نے سعودی سفیر سے کہا کہ آپ اس بات کی تردید کردیں تاکہ مسلمانوں کو اطمینان ہوجائے۔ اس پر سفیر صاحب نے کہا، ہم تردید نہیں کرسکتے ہم سفیر ہیں۔ ہم پورے ہندوستان سے آئے ہوئے احتجاجی میمورنڈم، مراسلات، برقی پیغامات سبھی حکومت سعودیہ عربیہ کو روانہ کر رہے ہیں۔ جب تک ہماری حکومت کی جانب سے حکم نہیں ملے گا ہم تردید نہیں کرسکتے۔

**حکومت** سعودیہ کی پُر اسرار خاموشی اور سعودی سفیر کا تردید سے انکار صاف بتا رہا ہے کہ دال میں کالا ضرور ہے۔ حکمرانوں کا مزاج ہی کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ رائے عامہ کے خوف سے جس بات کو وہ خود نہیں کہہ سکتے اس کیلئے حمید دلوائیوں کو پیدا کرتے ہیں۔

(ماہنامہ المیزان ممبئی شمارہ مارچ اپریل ۱۹۷۸ء)

**سعد الحسین** کی تجویز کی اصل عبارت کی فوٹو کاپی راقم سطور کے پاس موجود محفوظ ہے۔ اس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

**الف**...... ان میں سب سے عظیم وقدیم بدعت وفتنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے دونوں اصحاب (ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی قبروں کو مسجد نبوی کے اندر داخل کرنا ہے۔ (ص ۴ ہفت روزہ الدعوۃ ۹، ۹، ۱۳۹۷ھ۔ ابن خلدون روڈ، ریاض، سعودی عرب)

**ب**...... مسجد نبوی کے مغربی حصے کی توسیع کے وقت جلد ہی اس میں تبدیلی کا موقع ملے گا اور مسجد نبوی کے پورے مشرقی حصے کی ضرورت ختم ہوجائے گی۔ جس کے بعد دورِ رسالت وخلفائے راشدین میں مسجد نبوی کے مشرقی حدود جس طرح تھے انہیں اسی طرح کردیا جائے گا اور پھر یہ بھی ممکن ہوجائے گا کہ گنبدِ خضرا اور نقوش وچادر کو گرا کر ختم کردیا جائے یا انہیں ڈھک دیا جائے۔ (ص ۶۔ مذکورہ الدعوۃ)

**تجربات** شاہد ہیں کہ حکومتِ سعودیہ کے مذہبی وعدے بھی سیاسی وعدے ہی ثابت ہوئے ہیں۔ اسلئے عالمِ اسلام کا یہ خوف واندیشہ بالکل حق بجانب ہے کہ آلِ سعود کو جب بھی موقع ملے گا وہ گنبدِ خضرا کے تعلق سے اپنے پوشیدہ عزائم کی تکمیل میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھیں گے۔

# واجب الایفاء وعدوں کی پامالی

وفد خلافت کمیٹی کے ارکان لکھتے ہیں:۔

**بہر حال!** حالات و واقعات کچھ بھی ہوں سلطان عبدالعزیز کے تمام حتمی اور واجب الایفاء وعدوں کے باوجود مدینہ منورہ کے تمام قُبے گرادیئے گئے۔ (ص ۸۸۔رپورٹ)

**گنبدِ خضرا** ومقاماتِ مقدسہ کو نقصان پہنچانے کی سعودی کوششوں کی تحقیق کیلئے ایران کا ایک سرکاری وفد مدینہ طیبہ حاضر ہوا تھا جس سے ہندوستان وفد کی ملاقات بھی ہوئی تھی۔مولانا محمد علی جوہر اسی سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

معلوم ہوا کہ سلطان بن سعود نے سفیر ایران کے ذریعہ حکومت ایران کو وعدہ دیا ہے کہ اگر مکہ مکرمہ کے منہدم مقابر و مآثر کو کوئی تعمیر کرنا چاہے تو سلطان کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوگی۔ امسال حج میں اس بیان کی نہایت معتبر ذرائع سے مزید تصدیق ہوئی۔ (ص ٦٧۔نگارشات محمد علی)

مولانا شوکت علی کے نام سلطانِ نجد عبدالعزیز بن سعود نے یہ تار دیا تھا، اسلامی مزارات اور خصوصاً صحابہ کے مزارات ہمارے لئے بہت زیادہ قابلِ احترام ہیں۔آپ اطمینان رکھیں، ہماری فوجیں مقدس قوانین کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔(٦٨۔نگارشات محمد علی)

# مأثر اسلامیہ کی تاریخی و مذہبی حیثیت

**شورش کاشمیری** اپنے جذبات وتأثرات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:۔

**سعودی عرب** نے عہد رسالت کے آثار، صحابۂ کرام کے مظاہر اور اہل بیت کے شواہد اس طرح مٹا دیئے ہیں کہ جو چیزیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر محفوظ کرنی چاہئے تھیں وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر محو کر دی گئی ہیں۔ کہیں کوئی کتبہ یا نشان نہیں۔ لوگ بتاتے ہیں کہ اور ہم مان لیتے ہیں۔ حکومت کے نزدیک ان آثار ونقوش اور مظاہر و مقابر کا رکھنا بدعت ہے۔ عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔ سنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف ہے لیکن عصر حاضر کی ہر جدّت جدّہ ہی نہیں پورے حجاز میں ہے بلکہ بڑھ پھیل رہی ہے کیا قرآن وسنت کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا۔ (ص ۲۲۔ شب جائے کہ من بودم از شورش کاشمیری)

**آخر** خانہ کعبہ اور مسجد نبوی بھی تو آثار ہیں؟ صفا و مروہ بھی تو شعائر اللہ ہیں؟ مزدلفہ کیوں جاتے ہیں؟ منیٰ کیوں پہنچتے ہیں؟ عرفات کیا ہے؟ جمرۃ العقبیٰ جمرۃ الوسطیٰ اور جمرۃ الاولیٰ کیا ہیں؟ آثار ہیں۔ جو رسمیں وہاں کی جاتی ہیں مظاہر ہیں۔ انہیں عقیدہ کی بنا پر محفوظ کیا گیا۔ تو یہ عقیدہ جسکی معرفت ہم تک پہنچا اور جس نے یہ ملّت تیار کی۔ اس عالیشان پیغمبر کا مولد ومسکن، اس کی دعوت کے مراکز ومنازل اور نزولِ وحی کے محور ومہبط کیوں نہ محفوظ کیے جائیں؟ اس کے سانچے میں ڈھلے ہوئے انسانوں کی یادگاریں کیوں نہ باقی رہیں؟

یہ سب یادگاریں ان انسانوں کی ہیں جو تاریخ کے دھارے کو ابدالآباد تک کیلیۓ موڑ کر زندۂ جاوید ہوگئے۔ جن کا نام اور کام صبح قیامت تک کیلیۓ زندہ رہے گا۔ جن کیلیۓ تمام عزتیں ہیں، جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت تھے۔ وِجدان جنہیں عشق کی آنکھوں سے اب بھی چلتے پھرتے دیکھتا ہے۔ ان کے آثار محفوظ نہ رہیں تو پھر کون سی چیز محفوظ رکھی جائے گی؟ (ص ۷۰۔ شب جائے کہ من بودم از شورش کاشمیری)

**عربوں** کو جس تاریخ پر ناز ہے بلکہ جس تاریخ نے انہیں شرف بخشا وہ کعبۃ اللہ اور حرم نبوی ہیں یا پھر یہ مقام جنہیں غزوات نبی نے دوام بخشا اور کفار مکہ ڈھیر ہوگئے۔ تاریخ کے یہ پڑاؤ اس طرح نہیں رہنے چاہئیں کہ علم کے اس زمانے میں مٹ جائیں۔

**آخر** عرب شہزادے یورپ میں گھومتے پھرتے ہیں اور وہاں وہ کیا نہیں کرتے؟ اور کیا نہیں لاتے؟ ہاں نہیں دیکھتے کہ فرانس نے اپنے بادشاہوں کی قتل گاہیں تک محفوظ کی ہوئی ہیں؟ روما نے وہ تماشا گاہ محفوظ کر لی ہے جہاں شاہانِ روم وحشت کے دَور میں درندوں سے انسان کی چیر پھاڑ کا تماشا دیکھا کرتے تھے؟ برلن میں روس نے اپنی فتح کی عظیم الشان یادگاریں قائم کی ہیں۔ انگلستان قدامت کا گھر ہے وہ اپنے شاہوں کی پرانی یادگاریں سینے سے لگائے بیٹھا ہے شاہ کا محل اور وزیر اعظم کا مکان نہیں بدلا کہ اسکی پرانی تاریخ ہے جو ماضی کو حال سے ملاتی ہے۔ کیا یہ چیزیں عبادت گاہ بن گئی ہیں؟ جب ان لوگوں نے جو قرآن کے نزدیک گمراہ و معتوب ہیں، اپنے تاریخی سرمایہ کو عبادت گاہ نہیں بنایا تو مسلمان جن کی تربیت توحید و رسالت کی آب وہوا میں ہوئی ہے۔ وہ ان آثارِ قدیمہ کو کیسے عبادت گاہ بنا لیں گے؟ جہاں بیت اللہ اور گنبدِ خضرا ہوں وہاں اور کون سی جگہ جبینِ نیاز کی سجدہ گاہ ہوگی؟ (شب جائے کہ من بودم از شورش کاشمیری)

**آلِ سعود** کے اندر اتنی تخریبی قوت کہاں سے پیدا ہوئی کہ اس نے حجاز مقدس کے مسلمانوں اور ان کے آثار مبارکہ کو تہہ و بالا کر دیا۔ اس کی نشان دہی تاریخ کے اوراق سے اس طرح ہوتی ہیں۔

# معاہدۂ شیخ نجدی و آلِ سعود

مذہبی گمراہوں کی ایک جماعت قرامطہ تھی جس نے ۹۰۳ھ میں مکہ مکرمہ پر قبضہ کرلیا تھا اور وہاں سے حجر اسود اُٹھا لے گئے جسے بائیس سال کے بعد واپس کیا۔ تحریک وہابیت کے بانی وداعی شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے سب سے پہلے اسی جماعت کی باقی ماندہ نسل کا سہارا لیا۔ اس کے بعد ایک حیرت انگیز انکشاف غیر مقلدین ہند کے معتمد اور مشہور عالم و فاضل و محقق و مؤرخ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی زبانی سنئے:۔

جب محمد بن عبدالوہاب نے وہابی مشن ظاہر کیا اور قرامطہ اس سے دُور ہونے لگے تو اس نے (محمد) بن سعود کے دامن میں پناہ لی۔ (محمد) بن سعود نے اس کی دعوت وہابیت کو قبول کیا اور اس کی تائید وحمایت پر کمر بستہ ہوگئے۔ محمد بن سعود کو ابن عبدالوہاب نجدی نے یہ فریب دیا اور لالچ دی کہ وہ اسے بلادِ نجد کا حکمراں بنادے گا۔ یہ واقعہ ۱۷۶۰ء کا ہے اور (محمد) بن سعود کی شادی ابن عبدالوہاب نجدی کی لڑکی سے ہوئی۔ (ص ۳۰۰۔ التاج المکل مطبوعہ بمبئی۔ عربی سے ترجمہ)

مولانا اسد مدنی صاحب صدر جمعیت العلمائے ہند کے والد مولانا حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اسی شیخ نجدی کے بارے میں رقم طراز ہیں:۔

صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدائے تیرہویں صدی میں نجد سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالاتِ باطلہ وعقائد فاسدہ رکھتا تھا اسلئے اس نے اہل سنت وجماعت سے قتل وقتال کیا۔ ان کو بالجبر اپنے خیالات کی دعوت دیتا رہا۔ اہلِ حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکالیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی کے الفاظ استعمال کیے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکالیف شدیدہ کے مدینہ منورہ ومکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ (ص ۴۲۔ الشہاب الثاقب مطبوعہ دیوبند)

بہر حال! زن زر اور زمین کی بنیادی دفعات پر شیخ ابن عبدالوہاب نجدی ومحمد بن سعود کا معاہدہ ہوا اور اسی پالیسی پر ان کی آنے والی نسلیں (آلِ شیخ وآلِ سعود) بھی عمل کرتی رہیں۔

# معاہدۂ برطانیہ و آلِ سعود

مغربی مؤرخ اسٹینلے لین پول عرب قومیت کی بنیاد پر ترکوں سے اہل عرب کی بغاوت کے بارے میں لکھتا ہے:۔

عرب میں انگریزوں نے ایک دوسرے طریقے سے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ کرنل لارنس کی برسوں کی خفیہ کوششیں آخرش بارآور ہوئیں اور عرب برطانیہ کی سرپرستی میں عرب نیشنلزم (قومیت) کے جوش میں ترکوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ برطانیہ کی تدابیر نے عربوں کو ترکوں کے مقابلے پر لاکر ان کے اثر کو ہمیشہ کیلئے زائل کردیا۔ (ص ۲۸۷۔ سلاطین ترکیہ)

مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے کراچی کی خلافت کانفرنس میں بھرے مجمع میں اعلان کیا تھا کہ اگر کسی وقت شریف مکہ امیر فیصل برطانیہ کے خلاف ہوجائیں تو انگریز نے حفظ ماتقدم کے طور پر ایک دوسرے پٹھو کو بھی تیار کرلیا ہے اور وہ ہے ابن سعود۔

(ص ۱۹۲۔ تاریخ نجد و حجاز مطبوعہ لاہور)

مولانا ابوالحسن علی ندوی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اس موضوع پر اس طرح اظہارِ خیال کرتے ہیں، قومیت پرستوں کی قیادت وہ انگریز کررہے تھے جن کی پوری تاریخ اور جنکے خط کا رہا تھا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف گھناؤنے اور مکروہ جرائم میں ملوث ہیں ان علمبردارانِ قومیت نے انگریزوں سے یہ ساز باز گوارہ کرلیا مگر ان مسلم ترکوں کے ساتھ رہنے سے انکار کردیا جنہوں نے پانچ صدیوں تک یورپ میں اسلام کا پرچم لہرایا اور اعدائے اسلام کو لرزہ براندام کردیا تھا۔ ترک اپنی کمزوریوں کے باوجود اسلام اور اس کی شوکت و عظمت کا نشان تھے۔ قومی نشہ میں یہ عرب اتنے مدہوش ہوئے کہ کتاب و سنت کے ان نصوصِ قطعیہ کو بھی بھول بیٹھے جن میں مسلمانوں کے خلاف اعدائے اسلام سے موالات اور ان کے ساتھ رہ کر جنگ و مقابلہ کو حرام فرمایا گیا ہے۔ انہوں نے صرف ان دل کش سیاسی وعدوں پر اعتبار کرلیا جو آئے دن بدلتے رہتے ہیں اور جس سیاسی شریعت میں مصلحت کو صحیفۂ آسمانی اور قوت کو معبود سمجھا جاتا ہے۔ (عربی سے ترجمہ۔ ص ۹۔ العرب والاسلام مطبوعہ بیروت)

نجد کے توحید پرستوں اور برطانیہ کے تثلیث پرستوں کے درمیان ہونے والا مندرجہ ذیل معاہدہ ۱۹۱۵ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا جس کی ۱۹۲۰ء میں بھی تصدیق وتوثیق ہوئی۔چشم عبرت کھول کر یہ معاہدہ پڑھئے جسے تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کرلیا ہے۔

دفعہ اوّل ......حکومتِ برطانیہ اعتراف کرتی ہے اور اس کو اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ علاقہ جات نجد، احساء، قطیف، جبیل اور خلیف فارس کے ملحقہ مقامات جن کی حد بندی بعد کو ہوگی یہ سلطان ابن سعود کے علاقہ جات ہیں اور حکومتِ برطانیہ اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ان مقامات کا مستقل حاکم سلطان مذکور اور اس کے اجداد ہیں۔ان کو ان ممالک اور قبائل پر خودمختار حکومت ہے اور اس کے بعد ان کے لڑکے ان کے صحیح وارث ہوں گے۔لیکن ان ورثاء میں سے کسی ایک کی سلطنت کے انتخاب وتقرر کیلئے یہ شرط ہوگی کہ وہ شخص سلطنتِ برطانیہ کا مخالف نہ ہو اور شرائط مندرجہ معاہدہ ھٰذا کے خلاف بھی نہ ہو۔

دفعہ دوم ......اگر کوئی اجنبی طاقت سلطان ابن سعود اور اس کے ورثاء کے ممالک پر حکومت برطانیہ کے مشورہ کئے بغیر یا اس کو ابن سعود سے مشورہ کرنے کی فرصت دیئے بغیر حملہ آور ہو تو حکومت برطانیہ ابن سعود سے مشورہ کر کے حملہ آور حکومت کے خلاف ابن سعود کو امداد دے گی اور اپنے حالات کو ملحوظ رکھ کر ایسی تدابیر اختیار کرے گی جن سے ابن سعود کے اغراض ومقاصد اور اس کے ممالک کی فلاح وبہبود محفوظ رہ سکے۔

دفعہ سوم ......ابن سعود اس معاہدے سے راضی ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ

۱ ......وہ کسی غیر قوم یا کسی سلطنت کے ساتھ کسی قسم کی گفتگو یا سمجھوتہ اور معاہدہ کرنے سے پرہیز کرے گا۔

۱ ......ممالک مذکورہ بالا کے متعلق اگر کوئی سلطنت دخل دے گی تو ابن سعود فوراً حکومت برطانیہ کو اس امر کی اطلاع دے گی۔

دفعہ چہارم ......ابن سعود عہد کرتا ہے کہ وہ اس عہد سے پھرے گا نہیں اور وہ ممالک مذکورہ یا اس کے کسی دوسرے حصے کو حکومت برطانیہ سے مشورہ کئے بغیر بیچنے، رہن رکھنے، مستاجری یا کسی قسم کے تصرّف کا مجاز نہ ہوگا۔اس کو اس امر کا اختیار نہ ہوگا کہ کسی حکومت یا کسی حکومت کی رعایا کو برطانیہ کی مرضی کے خلاف ممالک مذکورہ بالا میں کوئی رعایت یا لائسنس دے۔

ابن سعود وعدہ کرتا ہے کہ وہ حکومتِ برطانیہ کے ہر ارشاد وحکم کی تعمیل تکمیل کرے گا اور اس میں اس امر کی قید نہیں ہے کہ وہ ارشاد وحکم اس کے مفاد کے خلاف ہے یا موافق۔

**دفعہ پنجم**...... ابن سعود عہد کرتا ہے کہ مقامات مقدسہ کیلئے جو راستے اس کی سلطنت سے ہو کر گزرتے ہیں وہ باقی رہیں گے اور ابن سعود حجاج کی آمد و رفت کے زمانے میں ان کی حفاظت کرے گا۔

**دفعہ ششم**...... ابن سعود اپنے پیش رو سلاطین نجد کی طرح عہد کرتا ہے کہ وہ علاقہ جات کویت، بحرین، رؤسا و شیوخ عرب، عمان کے ان ساحلی علاقہ جات اور دیگر ملحقہ مقامات کے متعلق جو برطانوی حمایت میں ہیں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گا۔ ان ریاستوں کی حد بندی بعد کو ہوگی جو برطانیہ سے معاہدہ کر چکی ہے۔

**دفعہ چہارم**...... اس کے علاوہ حکومت برطانیہ اور ابن سعود اس امر پر راضی ہیں کہ طرفین کے بقیہ باہمی معاملات کیلئے ایک اور مفصل عہد نامہ مرتب و منظور کیا جائے گا۔

مورخہ ۱۸ صفر ۱۳۳۴ھ ...... ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء

مہر و دستخط...... عبدالعزیز السعود

دستخط...... بی ریڈ کاکس وکیل معاہدۂ ہٰذا و نمائندۂ برطانیہ در خلیج فارس

دستخط...... چیسفورڈ نائب معظم وائسرائے ہند

یہ معاہدہ وائسرائے ہند کی طرف سے گورنمنٹ آف انڈیا بمقام شملہ ۱۸ مئی ۱۹۱۶ء کو تصدیق ہو چکا ہے۔ دستخط اے۔ ایچ گرانٹ سکریٹری حکومتِ ہند شعبۂ خارجیہ و سیاسیات۔

معاہدہ برطانیہ و آلِ سعود کی مذکورہ دفعات میں آل سعود نے جس غلامی و محکومی کو دعوت دی ہے اور پھر برطانیہ کی ہی مدد سے ترکوں کو شکست دے کر ۱۹۲۵ء میں حرمین شریفین پر جس طرح آل سعود نے قبضہ کیا ہے اس کے بعد ہی قلب عرب میں یہودی ریاست اسرائیل کی راہ ہموار ہوئی ہے جس سے اہل علم و بصیرت اچھی طرح واقف ہیں اور آل سعود کا یہی طریقہ و طیرہ آج بھی باقی ہے اور امریکہ کی غلامی و محکومی میں اس نے عالم اسلام کو بے دست و برپا کر رکھا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ امریکہ بیک وقت اسرائیل و سعودی عرب دونوں کا آقا اور سرپرست ہے اور ظاہری و مادی طور پر دونوں ہی کے وجود بقا کا مکمل انحصار امریکہ ہی کے اوپر ہے۔

# جمہوری اور شورائی نظام کا مطالبہ

۱۹۲۶ء میں موتمر اسلامی کے بین الاقوامی اجلاس میں وفد خلافت کمیٹی نے شخصی و موروثی نظام حکومت کی مخالفت کی اور عالم اسلام کے نمائندوں کے سامنے سعودیوں کو مخاطب کرتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر نے کہا، ہم اسی کتاب وسنت کے نام پر آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ ملوکیت چھوڑ کر جمہوریت اختیار کیجئے اور قیصر وکسریٰ کی بجائے صدیق وفاروق کی سنت اختیار کیجئے۔

۳۱ مئی ۱۹۲۶ء کو مولانا محمد علی جوہر نے مذکورہ اپیل کی اور پھر حجاز مقدس میں نظام حکومت کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے خلافت کمیٹی نے اپنی یہ رائے پیش کی، ہماری رائے ہے کہ حجاز میں کسی قسم کی بادشاہت قائم نہ ہو۔ حکومت کسی خاندان کے ساتھ ہرگز وابستہ نہ ہو۔ حکومت میں وراثت کا کوئی تعلق نہ ہو۔ حکومت شوریٰ اور جمہوری ہو۔

وفد خلافت کمیٹی کی رپورٹ میں یہ تنقید بھی بالکل حق بجانب ہے۔

موجودہ نظام حکومت کو اگر حجاز میں قائم رکھا گیا تو اس کے یہی معنیٰ ہوں گے کہ ایک نجدی بادشاہ کی شخصی اور خاندانی حکومت اہل حجاز پر قائم ہوگی بلکہ ایک بڑی حد تک اس کے یہ معنیٰ بھی ہوں گے کہ ایک پوری ایسی قوم کی حکومت ایک ایسی قوم پر ہوگی جسے حاکم قوم اپنے سے ذلیل تر (یعنی نجدی قوم حجازی قوم کو) بلکہ شرک کے عظیم گناہ کی مجرم سمجھتی ہے اور اپنے ہر فرد کو مجاز سمجھتی ہے کہ وہ محکوم قوم کے ہر فرد کو جب جی چاہے اور جس طرح چاہے سزا دے لے۔

ان حالات میں ہمارے نزدیک نجدی قوم کے ایک خاندان کی شخصی اور وراثتی حکومت قائم کرنا اور بھی زیادہ خرابیوں کا باعث ہوگا اور شخصی وقومی تصادم کے علاوہ ہر وقت عقائد وعبادات کے تصادم کا اندیشہ بھی رہے گا۔

موجودہ سعودی عرب میں نجد کا علاقہ جس میں ریاض، دمام، ظہران وغیرہ اور حجاز کا علاقہ جس میں مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، طائف اور جدّہ وغیرہ واقع ہیں۔ یہ دونوں علاقے اپنی آب وہوا کے لحاظ سے بالکل مختلف ہیں اور دونوں کے باشندوں کی عادات وخصوصیات بھی الگ الگ ہیں۔ (رپورٹ وفد خلافت کمیٹی)

ریاض (نجد) جو اس وقت سعودی عرب کا پایہ تخت ہے اس سے بالکل ہی متصل درعیہ ہے جو آل سعود کا آبائی وطن ہے۔ یہاں سے مدینہ منورہ تقریباً ایک ہزار کلومیٹر دُور ہے اور اتنی دوری سے حرمین شریفین پر قبضہ وتسلّط اور انکے سارے امور و معاملات کی باگ دوڑ اہل نجد یعنی آل سعود کے ہاتھ میں ہونا اہل حجاز کو سخت ناگوار ہے۔ اسی لئے آئندہ سطور میں آپ پڑھیں گے کہ خود ابن سعود نے وعدہ کیا تھا کہ وہ حرمین شریفین کو اہل حجاز کے حوالے کردے گا لیکن آج تک اس وعدے کی تکمیل نہ ہوسکی۔ اہل حجاز کے دِلوں میں اندر ہی اندر کافی ناراضگی پائی جاتی ہے اور اس کا اظہار اس طرح وہ کرتے ہیں کہ مجلس شوریٰ کے قیام کا حکومت سعودی عرب سے مطالبہ کرتے رہتے ہیں اور حکومت اس پر غور کرنے کا وعدہ بھی کرتی رہتی ہے۔

ابھی چند سال پیشتر کی بات ہے کہ شاہ فہد بن عبدالعزیز نے مدینہ طیبہ کا دورہ کیا اور مدینہ یونیورسٹی کے طلباء واستاذہ سے خطاب کیا۔ اس کے بعد سامعین وحاضرین کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ چاہیں تو ان سے کچھ سوالات کرسکتے ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی کے ایک استاد جو وہیں کے باشندے بھی تھے انہوں نے سارے حاضرین کی جانب سے دس پندرہ سوالات کئے جن کے جوابات شاہ فہد نے خود دیئے۔ بعد میں یہ سوالات وجوابات کتابچہ کی شکل میں تقسیم بھی ہوئے اور سعودی ٹیلی ویژن پر یہ پوری کارروائی دکھائی گئی۔

ان سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ مجلس شوریٰ جس کے بارے میں حکومت کی جانب سے وعدہ کیا جاچکا ہے، اسے کب تک عملی شکل دی جائیگی؟ جس کا جواب کچھ اس طرح تھا کہ ہماری حکومت اس موضوع پر غور کررہی ہے اور جلد ہی اس پر کارروائی ہوگی تاکہ وطن کی ہر قوم کی نمائندگی اس کے اندر ہوسکے۔

لیکن اس وقت ٹیلی ویژن دیکھنے والے لاکھوں مسلمانوں نے دیکھا کہ اس سوال پر عبداللہ بن عبدالعزیز دفاع کے چہرے پر ناگواری کے کیسے اثرات تھے؟ اور اس وعدے کے سلسلے میں اب تک کیا پیش رفت ہوسکی اسے ساری دنیا جانتی ہے۔

حجاز کے علماء وشیوخ کو حکومت سے اس بات کی بھی سخت شکایت ہے کہ حرمین طیبین کے مذہبی امور ومعاملات کی ذِمہ داری عام طور پر علمائے نجد ہی کے سپرد ہے۔ اس کے خلاف وہ حکومت کو برابر متوجہ کرتے رہتے ہیں لیکن آل سعود کا اثر اور اس کا خوف اتنا غالب ہوتا ہے کہ علمائے حجاز کے لہجے میں بے چینی واضطراب اور احتجاج کی بجائے مسکینی وبے چارگی کا عنصر حاوی ہوتا ہے۔ مذہبی مسائل میں آل شیخ بن عبدالوہاب نجدی اور سرکاری مفتی شیخ بن باز اور ان کے نائبین کا حکم حجاز میں بھی چلتا ہے اور ان کے حکومتی ورسوخ کے سامنے حرمین طیبین کے مقامی علماء وشیوخ عاجز وبے بس نظر آتے ہیں۔

# اہلِ حجاز اور عالمِ اسلام کو طفل تسلّیاں

۲۲ نومبر ۱۹۲۴ء کو تار کے ذریعے ہندوستان کی خلافت کمیٹی کے نام حکومت آلِ سعود نے یہ خبر بھیجی کہ سلطان عبدالعزیز نے حرم محترم کی پالیسی سے متعلق ایک تقریر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے...... آج کے بعد سے مکہ میں بجز شریعت کے اور کوئی سلطان نہ ہوگا۔ سب کی گردنیں اس کے سامنے جھکیں گی۔ چونکہ اس مسئلہ سے جملہ مسلمانانِ عالم کا تعلق ہے اسلئے وہاں کی پالیسی دنیائے اسلام کی پالیسی کے مطابق ہوگی۔ ہم جملہ مسلمانانِ عالم کے نمائندگان کی ایک کانفرس مکہ میں منعقد کریں گے اور اس مسئلے پر رائے دی جائے گی جس سے بیت اللہ شریف گناہوں سے پاک رہے اور حجاج کو حرمین شریفین کے سفر میں امن و عافیت نصیب ہو۔ (ص ۲۴۷۔ تاریخ نجد و حجاز مطبوعہ لاہور)

مسلمانانِ ہند کی نمائندگی کرتے ہوئے خلافت کمیٹی کے وفد نے بھی آل سعود سے یہی مطالبہ کیا تھا، مسلمانانِ ہند چاہتے ہیں کہ حجاز میں شرع اسلامی کے اصولوں کے مطابق جمہوری حکومت قائم کی جائے جس میں حجاز کی اندروی آزادی کو پورے طور پر قائم رکھتے ہوئے تمام وہ مسائل جو حجاز کی اسلامی مرکزی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں وہ مسلمانانِ عالم کی مرضی اور مشورہ سے طے ہونے چاہئیں۔ اور خلافت کمیٹی ہی کی تجویز پر ابن سعود نے موتمر اسلامی کا جو اجلاس طلب کیا اس کا دعوت نامہ ابن سعود کی جانب سے دسمبر ۱۹۲۴ء میں خلافت کمیٹی کے نام اس حلفیہ بیان کے ساتھ بھیجا گیا...... اور میں خدائے برتر کی قسم کھا کر جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کہتا ہوں کہ میرا مقصد حجاز پر تسلط یا حکومت کرنا نہیں ہے۔ حجاز میرے ہاتھوں میں اس وقت تک امانت ہے جب تک کہ اہل حجاز خود اپنے میں سے کسی ایسے حاکم کا انتخاب نہ کرلیں جو عالم اسلام کی بات سننے والا اور ان اقوام اسلامیہ اور طبقات ملّیہ کے زیر نگرانی رہے جنہوں نے اپنی غیرت ملیہ اور حمیت دینیہ کا ثبوت بہم پہنچایا ہے مثلاً ہندوستانی مسلمان۔

لیکن ہوا یہ کہ اہل حجاز و عالم اسلام کی خواہش و مرضی اور اپنی قسموں اور وعدوں کی گردن مروڑتے ہوئے ۸ جنوری ۱۹۲۶ء میں ابن سعود نے آل سعود نے علاقہ جات نجد و حجاز کی بادشاہی اور خاندانی حکومت کا اعلان کر کے پوری دنیا کو حیرت زدہ کردیا۔

# مسلکی آزادی کی تجویز

۱۹۲۶ء میں موتمر اسلامی نے یہ تجویز پاس کی تھی، حقیقت یہ ہے کہ علمائے نجد بظاہر اس کے دعویدار معلوم ہوتے ہیں کہ شریعتِ حقہ کا علم انہیں کو حاصل ہے اور یہی نہیں کہ ان کا مذہب مذاہب اربعہ سے بہتر ہے بلکہ علمائے نجد کو وہ علمائے احناف سے بہتر بھی جانتے ہیں۔ انہیں حالات سے مجبور ہو کر ہم نے بمشورہ و معیت جمعیت العلماء موتمر میں ایک تجویز پیش کی تھی کہ تمام مذاہب اسلامیہ کے متبعین کو ارض پاک حجاز میں عبادات و مناسک اور اعمال میں آزادی حاصل ہونی چاہئے اور کسی کو مجبور نہ کیا جائے کہ کسی چیز پر جو اس کے مذہب میں جائز ہے عامل نہ ہو یا کسی چیز پر جو اس کے مذہب میں جائز نہیں عمل کرے اور اس مذہب میں کیا چیز داخل ہے اور کیا نہیں اس کا فیصلہ صرف اسی مذہب کے علمائے مستند و معتبر کریں اور دوسرے مذہب کے علماء اس میں مداخلت نہ کریں۔ گو یہ تحریک بالآخر منظور ہوئی لیکن اس پر سخت مباحثہ ہوا اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ نامزدگانِ سلطان کو بہ طیبِ خاطر قبول نہ تھی۔ (نگارشات محمد علی)

حجاز کانفرنس لندن ۱۹۸۵ء میں بھی یہی بات کہی گئی کہ سعودی عرب میں مسلمانوں کے مذہبی تحفظ کا مسئلہ صرف سعودی عرب کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ بین الاقوامی سطح کا مسئلہ ہے۔ صرف طاقت کے بل پر نجد کے قاضیوں کا نظریہ ہم پر مسلط نہیں کیا جاسکتا۔

# رابطۂ اسلامی یا مؤتمر اسلامی

حرمین شریفین پر قبضہ وتسلط سے پہلے اور اس کے بعد بھی ایک مختصر مدت تک ابن سعود وارکانِ دولت عالم اسلام اور اہل حجاز کو یہ سبز باغ دکھاتے رہے کہ حجاز کے انتظامی معاملات اہل حجاز کے ہی ہاتھوں میں ہوں گے اور مذہبی مسائل کی انجام دہی کیلئے ایک موتمر اسلامی تشکیل دی جائے گی جس میں مسلمانانِ عالم کی مؤثر وقابل قبول نمائندگی ہوگی۔لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ موتمر اسلامی کے آغاز کے ساتھ ہی اس کے انجام کا بھی سعودی حکومت نے انتظام کردیا۔کیونکہ جی حضوری اور سب خیریت ہے کی پالیسی پر چلتے رہنے کے علاوہ اس نے کوئی فکری یا عملی ثبوت نہیں دیا۔

ایک لمبی مدت تک سکوت وتوقف اور کافی غور وخوض کے بعد آل سعود نے رابطہ عالم اسلامی کو وجود بخشا اور اس میں ایسے علماء وفضلا کو رُکنیت دی گئی جو سعودی فکر ومزاج سے بہت حد تک ہم آہنگ ہوں۔سارے ارکان رابطہ عالم اسلامی کو یہ الزام دینا تو غلط ہوگا کہ وہ سعودیہ کی ہر بے جابات کو بسر وچشم قبول کرلیتے ہیں لیکن اس کی بہت سی قابل اصلاح باتوں کو بھی مسلسل نظر انداز کرتے رہنے سے اس الزام کو تقویت ضرور پہنچتی ہے کہ وہ سعودیہ کے مخصوص افکار وخیالات یا اس کے سیاسی اغراض ومقاصد کے شکار ہوتے رہتے ہیں۔غالبًا وہ کوئی کلمۂ حق کہنے سے اس لئے گریز کرتے ہوں گے کہ اس بین الاقوامی تنظیم کی رُکنیت کا اعزاز ہاتھ سے جاتا رہے گا۔چنانچہ کئی سال پہلے ریاض یونیورسٹی کے ایک ہندوستانی طالبِ علم نے مجھے بتایا کہ ایک بار رابطہ عالم اسلامی کا اجلاس ہو رہا تھا جس میں ایک معزز رکنِ رابطہ فرما رہے تھے، اسلام اور مسلمانوں کے مسائل کو موضوعِ گفتگو بنانے کی بجائے وہ جلالۃ الملک کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔ایک مقتدر مصری رکنِ رابطہ اس صورتِ حال سے سمجھوتہ نہ کرسکے اور انہیں ٹوکتے ہوئے یہ کہہ دیا، برائے مہربانی آپ اس وقت درپیش دینی وملی مسائل پر اظہارِ خیال فرمائیں۔ جلالۃ الملک کی ثنا خوانی کسی اور وقت کرلیجئے گا۔چنانچہ انہیں اس جرأت وجسارت کی یہ سزا ملی کہ چند گھنٹوں کے اندر ہوائی جہاز پر سوار کرا کے سعودی عرب سے رُخصت کردیا گیا اور رابطہ کی رکنیت بھی ہمیشہ کیلئے ختم کردی گئی۔

# اعتراف و احتساب

راقم سطور پانچ چھ بار زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو چکا ہے اس لئے اس اعترافِ حقیقت میں کوئی تامل نہیں کہ موجودہ سعودی حکومت نے دورِ جدید کی حیرت انگیز سہولتوں کا گویا پورے حرمین طیبین میں ایک جال بچھا دیا ہے۔ ایئر کنڈیشنڈ ہوٹلوں، بلند و بالا بلڈنگوں، کشادہ سڑکوں، برق رفتار گاڑیوں، برقی قمقموں، متنوع ولذیذ غذاؤں اور ٹھنڈے پانی کے نلوں نے انہیں آرام وراحت کے ایسے ایک شہر میں تبدیل کر دیا ہے جس کا آج سے ایک صدی پیشتر تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور مختصر الفاظ میں اس بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس عہد حکومت سے پہلے یہ وسائل اور سہولتیں زائرین وحجاج کو تاریخ کے کسی دور میں بھی حاصل نہیں تھیں اور یہ ترقی یافتہ تعمیری خدمات عہد سعودی کو دوسرے بہت سارے ادوار و عہود سے ممتاز کرتی ہیں۔

لیکن ان تمام مادی آسائشوں کے اعتراف کو چیلنج کرتے ہوئے ہمارا ایمانی ضمیر ہم سے سوال کرتا ہے کہ ہزاروں مقامات مقدسہ و مآثر اسلامیہ کے ساتھ اس سعودی حکومت نے کیا سلوک روا رکھا؟ رسولِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مولد و مسکن کو اس نے کیوں مٹایا؟ مہبط وحی الٰہی کو اس نے کیوں بے نام ونشان کیا؟ مولد فاطمہ زہرا کو کیوں مسمار کیا؟ دارِ ارقم کو کیوں زمیں بوس کیا؟ کئی ایک مساجد متبرکہ کو نیست و نابود کیوں کیا؟ صحابہ کرام، اہل بیت اطہار اور اُمہات المؤمنین کی قبریں کیوں توڑیں؟ جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کو کھنڈر کیوں بنایا مشاہد وآثار کی بے حرمتی اور ان کی پامالی کا بیڑہ کیوں اُٹھایا؟ کیا یہ چیزیں قابلِ احترام اور لائقِ توقیر نہ تھیں؟ اور کیا یہ چیزیں شعائر اللہ میں داخل نہیں؟ جن کی حفاظت ہی نہیں بلکہ تعظیم کا حکم خود خالقِ کائنات نے اس طرح دیا ہے:۔

ومن یعظم شعائر اللّٰہ فانھا من تقوی القلوب (الحج۔۳۲)

اور جو شعائر الٰہی کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

تاریخ کا دفتر احتساب جب کھلے گا اور آل سعود کا یومِ حساب آئے گا تو دنیا اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھے گی کہ مادی آسائشوں کے یہ سارے زرنگار تاج محل زمیں بوس ہو جائیں گے، ٹھیک اسی طرح جیسے اس نے مآثر اسلامیہ اور شعائر اللہ کو تہہ و بالا کر کے عالمِ اسلام کے قلوب کو مجروح اور زیر وزبر کر ڈالا ہے۔ تعمیر کی یہ رنگا رنگی اس کے تخریبی کرتوتوں پر پردہ نہیں ڈال سکتی اور جس عمارت کی بنیاد ٹیڑھی اور غلط ہو وہ سر بفلک ہو جائے جب بھی اس کی کجی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔

خشتِ اوّل چوں نہد معمارِ کج     تا ثریا می رود دیوار کج

# ٹیکس کے خلاف احتجاج

پچاس سال سے زائد عرصہ سے عالمِ اسلام ان ٹیکسوں کے خلاف احتجاج کر رہا ہے جو زائرین وحجاج پر سعودی حکومت نے عائد کر رکھا ہے۔ ۱۹۴۶ء میں مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (متوفی ۱۹۵۴ء) ومولانا عبدالحامد بدیوانی (متوفی ۱۹۷۰ء) نے ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے ابن سعود سے براہ راست ٹیکسوں کے سلسلے میں گفتگو کر کے انہیں ختم کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

چنانچہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں، ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی قدس سرہٗ رابطۂ اسلامیہ ہند کے رئیس وفد اور ملایا، شرقی وجنوبی افریقہ اور جزائر شرقیہ کے مندوب کی حیثیت سے سعودی عرب تشریف لے گئے اور سعودی حکومت کی طرف سے حجاج پر عائد کردہ ٹیکسوں کے خاتمہ اور حجاج کیلئے سہولتیں فراہم کرنے کیلئے دنیا بھر سے آئے ہوئے اجلّہ علماء حکومتِ سعودیہ کے عمائدین اور عبدالعزیز بن سعود سے مذاکرات کئے جن کا خاصا اثر ہوا۔ ان مذاکرات کی تفصیل البیان کے نام سے عربی میں شائع ہوئی تھی جس کے آغاز میں الاخوان المسلمون مصر کے بانی حسن البنا نے ابتدائیہ لکھا اور حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قدس سرہٗ کی مساعی جمیلہ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ (ص ۲۳۹۔ تذکرۂ اکابر علمائے اہل سنت مطبوعہ لاہور)

حجاز کانفرنس (۱۹۸۵ء لندن) نے بھی ایک قرارداد کے ذریعہ مطالبہ کیا کہ سعودی حکومت حاجیوں سے لینڈنگ ٹیکس، معلم ٹیکس اور مدینہ کے سفری ٹیکس کے نام پر جو رقوم حاصل کرتی ہے وہ قرآن کریم کی متعدد آیات کی رُو سے قطعاً حرام اور ممنوع ہے اس لئے اسے فوراً بند کیا جائے۔

# امکانی اتحاد کی نجات دھندہ راہ

**مظالم** ابن سعود و اہل نجد کی دردناک داستان کرتے ہوئے حجاز کانفرنس لندن (۱۹۸۵ء) میں مولانا شاہ احمد نورانی صدر جمعیت العلمائے پاکستان (متوفی ۲۰۰۳ء) نے فرمایا، اس طویل مدت میں جتنی مسجدیں شہید ہوئیں، جتنے مزارات منہدم کئے گئے، جتنی مقدس یادگاروں کو نیست ونابود کیا گیا اور اسلاف کی مذہبی روایات پر جس طرح ظلم وجبر کیساتھ پابندیاں عائد کی گئیں۔ یہ ایک ایسی دردناک تاریخ ہے جو صرف خونِ جگر سے لکھنے کے قابل ہے۔ چودہ سو برس کے مقدس اثاثے کو برباد کرتے ہوئے سعودی حکومت نے ذرا بھی محسوس نہیں کیا کہ وہ دنیا کے نوّے کروڑ مسلمانوں کے خرمنِ حیات میں آگ لگا رہی ہے۔

اس کے بعد پوری ذِمہ داری کے ساتھ بڑے ہی فیصلہ کُن انداز میں آپ نے ارشاد فرمایا، سعودی حکومت اگر دو بنیادی باتوں پر اتفاق کرلے تو آج بھی عالمِ اسلام کے اتحاد کی راہ نکل سکتی ہے اور کروڑہا مسلمانوں کی بے چینیوں کا ازالہ ہوسکتا ہے۔

- ☆ پہلی بات یہ کہ حجاز مقدس تمام دنیا کے مسلمانوں کا مذہبی وروحانی وطن ہے۔
- ☆ اور دوسری بات یہ کہ کتاب وسنت کی روشنی میں مسائل واحکام حج کے استخراج کا حق نجدی علماء کے علاوہ دیگر علمائے اسلام کو بھی ہے۔

اور اگر یہ اہل نجد پہلے ہی کی طرح سارے عالم اسلام پر شرک کا الزام لگاتے رہیں گے تو پھر حالات کی ابتری اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج کے وہ خود ذِمہ دار ہوں گے۔ انہیں چاہئے کہ وہ سابقہ رویہ میں تبدیلی پیدا کریں اور ندامت و شرمساری کے احساس کے ساتھ رجوع الی الحق کا دروازہ کھٹکھٹائیں اور مندرجہ ذیل حقائق کی روشنی میں اپنے داغدار دامن کی تنظیف وتطہیر کا سامان کریں۔

# اہل حجاز فرعون و ہامان کی طرح

اہل نجد کی مخصوص ذہنیت کا ذِکر کرتے ہوئے قاضی شوکانی یمنی لکھتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ جو مسلمان فرماں روائے نجد کے زیر تصرف اوراس کا تابع فرمان نہ ہووہ اسلام سے خارج ہے۔ (ترجمہ از عربی۔ص ۵۔البدر الطالع جلد دوم)

اور شیخ نجدی و اہلِ نجد کے عقائد کے باب میں مولانا حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک:

جملہ اہل عالم و تمام مسلمانانِ دیار کافر و مشرک ہیں۔ ان سے قتل و قتال کرنا، ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال و جائز بلکہ واجب ہے۔ (ص ۴۳۔الشہاب الثاقب مطبوعہ دیو بند)

نجد کے قاضی نے حرمین طیبین کے علماء و مشائخ اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا،

یا اہل الحجاز! انتم اشد کفرا من ہامان و فرعون۔ نحن قاتلناکم مقاتلۃ المسلمین مع الکفار (ص ۸۵۔رپورٹ وفد خلافت کمیٹی)

اے اہل حجاز! تمہارا کفر فرعون و ہامان سے بڑھا ہوا ہے۔ ہم نے تمہارے ساتھ اس طرح جنگ کی جیسے مسلمان کافروں سے جنگ کرتے ہیں۔

نجدیوں کی گذشتہ صدی کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ان کے ہاتھ کفار کے خون سے کبھی نہیں رنگے گئے جس قدر خون ریزی انہوں نے کی ہے وہ صرف مسلمانوں کی ہے۔ (ص ۱۰۵۔رپورٹ وفد خلافت کمیٹی)

# جامع مسجد دھلی کا فیصلہ

آل نجد وآلِ سعود کتاب وسنت کے علم اوران پر عمل کا ساری دنیا میں جو پروپیگنڈہ کرتے ہیں اس کی اصل حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہوئے شاہجہانی جامع مسجد دہلی میں مولانا محمد علی جوہر نے ہزاروں مسلمانوں کے جمِ غفیر میں اپنا یہ فیصلہ سنایا تھا:۔

میں خدا کے گھر میں بیٹھا ہوں اور اس کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ مجھے ابن سعود سے ذاتی عداوت نہیں، نہ میری مخالفت ذاتی غرض پر مبنی ہے۔ جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہی کہوں گا اور صاف صاف کہوں گا خواہ اس سے کوئی جماعت خوش ہو یا ناخوش۔

سلطان ابن سعود اور ارکان حکومت بار بار کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی رٹ لگاتے تھے۔ لیکن میں نے تو یہ پایا کہ انہوں نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کو دنیا کمانے کا آلہ بنا رکھا ہے۔ جو لوگ ڈاکہ ڈالتے ہیں، چوری کرتے ہیں، بُرا کرتے ہیں، لیکن جو لوگ قرآن وحدیث کو آڑ بنا کر دنیاوی حکومت حاصل کرتے ہیں وہ چوروں ڈاکوؤں سے بھی بُرا کرتے ہیں۔

(ص ۹۵،۹۶۔ مقالات محمد علی، جلد اوّل)

# قولِ فیصل

**ایک** ملاقات (۱۹۲۶ء) میں سلطان ابن سعود نے سیّد سلیمان ندوی، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر، مفتی کفایت اللہ دہلوی نیز ارکان جمعیت علمائے ہند سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا، ہم مسلمانانِ ہندوستان کے نہایت ممنون ہیں اور یقین جانئے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں صرف ہندوستان ہی کے مسلمانوں پر میں بھروسہ کرسکتا ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ان کی تمام کوششیں بے غرضانہ ہیں اور ان کا دل اور زبان ایک ہے۔ (ص ۲۸۶۔ تاریخ نجد و حجاز مطبوعہ لاہور)

آج تقریباً اسّی سال گزرنے کے بعد بھی حالات جوں کے توں ہیں اس لئے اپنی جانب سے کچھ کہنے کی بجائے بہتر یہی ہے کہ پرانے آئینہ کا استعمال کیا جائے اور قولِ فیصل کے ساتھ عالمِ اسلام کے دیرینہ مطالبات کا اعادہ کردیا جائے۔

حجاز کے لوگوں میں انتظامِ ملکی کی کافی اہلیت معلوم ہوتی ہے اور کم از کم نجدیوں سے زیادہ حکومت حجاز چلانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ہمیں نجدیوں میں اہلِ حجاز سے بہتر کوئی شخص حجاز پر حکومت کرنے کا اہل نظر نہیں آتا۔ بلکہ اہل حجاز کو ہم نے اہل نجد سے کہیں زیادہ اس کا اہل پایا ہے۔ (۲۱۵ نگارشات محمد علی)

**حجاز** کو اہل حجاز کے ہاتھوں سپرد کرنے کے مسئلہ میں ابن سعود و ارکانِ حکومت جب لیت و لعل سے کام لینے لگے اور تشکیل حکومت حجاز کے سلسلے میں ان کے عزائم کھل کر سامنے آئے تو مفتی کفایت اللہ دہلوی (صدر جمعیت علمائے ہند) نے ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود کے ایک تار کے جواب میں یہ لکھا تھا،

عظمۃ السلطان عبدالعزیز مکہ مکرمہ!

آپ کا تار پہنچا۔ دعوت کا شکریہ۔

**جمعیت** علماء اپنے مندوب بھیجنے کو تیار ہے مگر جمعیت علمائے ہند ادب کے ساتھ عرض کردینا چاہتی ہے کہ اسلام کے مرکز کو ہمیشہ کیلئے دَسائسِ اجانب (غیروں کی ریشہ دوانیوں) سے مامون کرنے اور تمام عالمِ اسلام کو اس کی حفاظت کا ذِمہ دار بنانے کیلئے تشکیل حکومت حجاز کا اہم مسئلہ زیر بحث آنا ضروری ہے۔ محمد کفایت اللہ (ص ۲۵۵۔ تاریخ نجد و حجاز مطبوعہ لاہور)

اور ایک ملاقات (۱۹۲۶ء) میں سیّد سلیمان ندوی، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر و مفتی کفایت اللہ دہلوی وغیرہم نے سلطان ابن سعود سے یہ بھی کہا تھا۔

اس وقت ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متحد و متفق ہوں۔ نہ یہ کہ ان میں مذہبی اختلافات پیدا کئے جائیں۔ آپ نے مآثر اور قبوں اور مزارات کے انہدام کا جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے اس کا نتیجہ ہوگا کہ تمام مسلمانوں میں نئے سرے سے عقائد کی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ اس طرزِ عمل سے جو آپ اختیار کر رہے ہیں ہماری قوتیں دوبارہ منتشر ہو جائیں گی اور تمام دنیائے اسلام خانہ جنگیوں کی دوسری مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی۔

علاوہ ازیں یہ تمام مسلمانوں کا مشترکہ حرم ہے۔ یہاں کوئی فرقہ اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ وہ صرف اپنے خیال کے مطابق اس حرم اور آثار متبرکہ اور مقابر و مشاہد میں ایسا تصرّف کرے جو دوسرے فرقوں کے نزدیک صحیح نہیں۔ ہم کسی صورت میں یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ مذہب اسلام کے اہم مسائل کا فیصلہ صرف نجد کے چند علماء کے ہاتھوں میں دے دیں۔ (ص ۲۸۶۔ ایضاً)

**مختصر** الفاظ میں ان ساری باتوں کو اس طرح سمیٹا جا سکتا ہے کہ خالص حجازی لے سے آراستہ اس نغمۂ ہندی کا اصل مطلوب و مقصود صرف یہ ہے کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے — نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

۱۹۶۷ء میں یروشلم پر اسرائیلی پر قبضہ کے بعد بیت المقدس کی بازیابی کے مطالبہ سے پہلے بہت پہلے ۲۵۔۱۹۲۴ء سے مسلمانانِ عالم یہ مطالبہ کرتے چلے آ رہے ہیں کہ حجاز مقدس سے آلِ سعود کی خاندانی حکومت ختم کی جائے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے انتظامی معاملات حجازیوں کے سپرد کئے جائیں اور مذہبی امور و فرائض کی نگہداشت کا ذِمہ دار عالمِ اسلام کی ایک منتخب مجلسِ شوریٰ کو بنایا جائے۔

ایسے حالات میں ہم ذرائع ابلاغ اور عالمی رائے عامہ سے اپیل کریں گے کہ وہ خلیج اور عالم عرب کے اندر پائدار امن کی تلاش میں زیادہ تاخیر سے کام نہ لیں اور ایک عرصہ سے کئے جانے والے ان مطالبات کو منوانے کی ہر ممکن جدوجہد کریں۔

☆ حجاز مقدس کو آلِ سعود کی خاندانی حکومت سے نجات دلا کر اسے حجازیوں کے حوالے کیا جائے اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ (حجاز) کے مذہبی امور و معاملات کی نگرانی کیلئے عالم اسلام کے مستند علماء پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ کی تشکیل کی جائے۔

☆ کویتی بحران کو امریکی و برطانوی سازشوں سے نکال کر 'خلیج عرب تعاون کونسل' 'عرب لیگ' اور اسلامی وزرائے خارجہ کانفرنس کے ذریعے حل کیا جائے۔ (کویت پر چند ماہ کا عراقی قبضہ ختم ہو چکا ہے اور اب کویت حسبِ سابق ایک آزاد و خود مختار ریاست ہے۔)

☆ فلسطینیوں کی ایک آزاد ریاست قائم کی جائے۔ مغربی کنارہ، غزہ پٹی اور بیت المقدس کو اسرائیلی تسلط سے نکال کر انہیں فلسطینیوں کے حوالے کیا جائے۔

مذکورہ مطالبات کو مان کر اگر انہیں عملی شکل دے دی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ عالمِ عرب کا تازہ بحران ٹل سکتا ہے اور بہت سے پرانے جھگڑوں اور اختلافات کا بھی خاتمہ ہو سکتا ہے۔ بصورت دیگر اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ امریکی افواج کوئی بھی شرانگیز کارروائی کر کے عالمِ عرب کو تہس نہس کر سکتی ہیں اور مغربی طاقتوں کی مدد سے وہ نہ صرف یہ کہ تیل کے سارے چشموں پر قابض ہو جائیں گی بلکہ کئی ایک عرب ممالک کا خون چوس کر انہیں بے دم کر دیں گی اور کئی ایک عرب ممالک آزادی وسلامتی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔

ایسے کسی روزِ بد سے اللہ تبارک وتعالیٰ سارے عالمِ عرب کو محفوظ رکھے اور ان کے حکمرانوں کو اس کی توفیق بخشے کہ وہ مزعومہ خداوندانِ مغرب کے سامنے سجدہ ریزی سے باز آ کر اپنے دین وایمان کو سنبھالیں اور مقاماتِ مقدسہ کے تحفظ کی عظیم ذِمہ داریاں نبھا کر دنیا وآخرت میں سُرخرو اور شادکام ہو سکیں۔ آمین

ہمیں سخت حیرت ہے کہ ترک وعرب کے کردار کا تجزیہ کرتے ہوئے ایک طرف تو مولانا ابوالحسن علی ندوی نے یہ لکھا تھا، قومی نشہ میں یہ عرب اتنے مدہوش ہوئے کہ کتاب وسنت کے ان نصوص قطعیہ کو بھی بھول بیٹھے جن میں مسلمانوں کے خلاف اعدائے اسلام سے موالات اور ان کے ساتھ وہ کر جنگ ومقابلہ کو حرام فرمایا گیا ہے۔

اور دوسری طرف آج (۱۹۹۱ء) ایک مسلم عراق کے مقابلے میں امریکی و برطانوی فوج کی مدد لینے پر سعودی عرب کی وکالت فرما رہے ہیں۔ جس کی تائید میں مولانا منت اللہ رحمانی ومولانا اسعد مدنی وغیرہ بھی سرگرم ہیں۔

ایں چہ بوالعجبی ست؟